

سلسلہ مطبوعاتِ مرکزِ تحقیقِ دیال سنگھ ٹرسٹ لاہوری — ۱۴

اسلامی ریاست میں

عَدْلِ نَافِذِ كَرْمِ وَالِیِ اِدَارِی

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)



تألیف

سید عبدالرحمن مجاری

مرکز تحقیقِ دیال سنگھ ٹرسٹ لاہوری

نسبت روڈ ○ لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ  
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربعہ

معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

### تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے  
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ [KitaboSunnat@gmail.com](mailto:KitaboSunnat@gmail.com)

🌐 [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)



ایک زندہ انسانی وجود کو جتنی ضرورت آکسیجن کی ہوتی ہے تقریباً اتنی ہی ضرورت نفاذ اسلام میں قیام عدل کی ہے۔ کیونکہ قیام عدل کے بغیر اسلامی نظام کا کوئی بھی جز اپنی صحیح صورت میں نشوونما نہیں پاسکتا۔ اسی لیے قرآن کریم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عدل کو قائم کرنے پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے غالباً اسی وجہ سے موجودہ حکومت بھی کوشاں ہے کہ اسلام کا حقیقی نظام عدل ملک میں برپا کیا جائے۔ لیکن اس راستے میں دیگر موانع اور دشواریوں کے علاوہ سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ابھی تک وہ دائرے صحیح معنوں میں قائم نہیں ہو سکے ہیں جن کے توسط سے اسلام کا حقیقی نظام عدل قائم کیا جاسکے یہ کام قدرے صبر آزما اور دیر طلب بھی ہے اگر کوئی چاہتا ہے کہ چند مہینوں میں یہ کام ہو جائے تو اس کی یہ خواہش درست نہیں ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس کام کو ٹھنک سمجھ کر ہمت ہی ہار دی جائے اور کسی قسم کی پیش رفت ہی نہ کی جائے۔ کام کرنا ہوگا اور محنت کرنی ہوگی انشاء اللہ العزیز جلد یا بدیر کامیابی حاصل ہوگی۔

عزیز مکرم جناب سید عبدالرحمن بخاری نے اپنے ایک مقالے میں ان خطوط کی نشاندہی فرمائی ہے جن کی بنیاد پر نفاذ عدل کے اداروں کی تشکیل یا اصلاح کی جاسکتی ہے۔ منسل مقالہ نگار کا یہ مقالہ مرکز تحقیق سے شائع ہونے والے مجلے سماہی منہاج کے اسلامی نظام

عدل نمبر شمارہ جنوری ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا ہے۔ اور اکثر علماء نے مقالے کو پسند بھی کیا لہذا محض مقالے کی افادیت کے دائرے کو وسیع کرنے کی غرض سے اسے کتابچے کی شکل میں بھی شائع کیا جا رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ حکومت کے ارباب بسط و کشادہ سنجیدگی سے ان تجاویز پر غور فرمائیں گے جو اس مقالے میں پیش کی گئی ہیں۔ ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ اگر حقیقی اسلامی خطوط پر نفاذ عدل کے اداروں کی خشت بندی کی جائے تو اس وقت جو مشکلات نظر آرہی ہیں وہ رفع ہو جائیں گی اور اسلامی نظام عدل کے نفاذ کا کام تیز اور مستحکم ہوگا۔

آخر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فاضل مقالہ نگار کو اسی طرح دین تویم کی خدمت کا موقع عنایت فرماتا رہے تاکہ نفاذ اسلام کے عمل میں علمی و فکری سطح پر تعاون میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہو۔ آمین!

سید محمد متین ہاشمی

ڈائریکٹر مرکز تحقیق (ریسرچ سیکل)

دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور



یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام دینِ عادل ہے، عدل اسلام سے الگ کسی چیز کا نام نہیں بلکہ بعض اعتبارات سے اسلام کے اصل مزاج کا سب سے بڑا اشارہ ہے اور دین کا جو تصور قرآن و سنت نے پیش کیا ہے اس کے امتیازی خود و حال عدل و انصاف کے آئینہ میں سب سے زیادہ واضح شکل میں نظر آتے ہیں۔ عدل و انصاف کو اسلام میں نہ صرف زندگی کی ایک ابدی اساسی قدر ٹھہرایا گیا ہے جو فکر و شعور کے ہر زاویے سے لے کر نظم زندگی کے ہر گوشے میں جاری و ساری ہے بلکہ قرآنِ کریم سے یہ حقیقت ابھرتی ہے کہ تکوین اور تشریح دونوں نظاموں میں جملہ قوانین طہرت اور بنیادی حیات کی اساس و بنیاد عدل ہی ہے جو غیر تبدیل سنت اللہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یوں عدل و انصاف وہ بنیادی انسانی قدر اور عالمگیر صداقت ہے جس پر انسانی معاشرہ بلکہ آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا دنیا کا یہ سارا کارخانہ قائم ہے۔ اگر یہ ختم ہو جائے تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ ارشادِ خداوندی ہے: شہد اللہ انہ لا الہ الاہو الملئکہ واولو العلو قائما

بِالْقِسْطِ ۗ الْآيَةُ - (آل عمران: ۱۸۰)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نظام عالم محض اللہ تعالیٰ کے عدل انصاف کے بل بوتے پر قائم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عدل و انصاف کا قیام تمام آسمانی شریعتوں کا نصب العین رہا ہے، چنانچہ اسلامی شریعت کا بنیادی مقصد بھی اعلیٰ معاشرتی زندگی کی تنظیم کے علاوہ نفوس کی پاکیزگی کی خاطر صفات عدل و انصاف کی حفاظت ہے۔ ارشاد خداوندی اعدلوا ہوا قرب للتعویٰ ۗ نے وضاحت کر دی کہ تقوٰے جو تمام اسلامی زندگی کی روح اور اہل ایمان کے ہر قول و فعل کے لیے کسوٹی ہے، عدل کے بغیر پیدا ہو ہی نہیں سکتا کہ عدل اور تقوٰے میں جو ملی دامن کا ساتھ ہے اور عدل ہی تقویٰ کی ضمانت ہے جس کی تکمیل ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔ قل امر ربی بالقسط ۗ موضوع زیر نظر کے اصل نقطہ پر ازکا ز سے پیشتر اسلامی تصور عدل کے نمایاں خدو خال کی مختصر وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

اسلامی تصور عدل کے نمایاں خدو خال | عدل ایک وسیع المعنی اصطلاح ہے۔ اس کا مفہوم ہے توازن،

تناسب، مساوات، ہم آہنگی، انصاف، انفرادی و تفریط سے اجتناب اور لوگوں کے

سے اللہ کی گواہی ہے کہ کوئی معبود نہیں ہے بجز اس کے اور فرشتوں اور اہل علم کی (جی گواہی یہی ہے) اور وہ عدل سے انتقام رکھنے والا معبود ہے۔ (آل عمران: ۱۸۰)

ۗ انصاف کرتے رہو کہ وہ تقوٰے سے بہت قریب ہے۔ (المائدہ: ۸۴)

ۗ آپ کہہ دیجیے کہ میرے پروردگار نے تو عدل کا حکم دیا ہے۔ (الاعراف: ۲۵)

تعلقات ان بنیادوں پر قائم کرنا جن سے ہر فرد کو اس کا جائز حق مل جائے۔ نیز یہ کہ جو کچھ ہم سوچیں، کہیں یا کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے۔ قرآن کریم میں عدل کے مرادفات قسط، وسط، میزان، اعتدال، قسطاس، مستقیم، تقدیر اور ان کے مشتقات وارد ہوئے ہیں اور یہ سبھی معانی اسلامی نظریہ عدل کی ماہیت و ترکیب میں شامل ہیں۔

اسلامی تصور عدل دنیا کے تمام افکار و نظامائے زندگی اور جملہ دساتیر و قوانین کے مقابلے میں ہر اعتبار سے جامع، ہمہ گیر اور ارفع و اعلیٰ ہے جس کے نمایاں خدوخال حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ سلسلہ رست و ہدایت اور بعثت انبیاء کی غایت الغایات عدل و انصاف کا قیام و استحکام ہے۔ لَقَدْ ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معہم الکتاب و المیزان ليقوم الناس بالقسط عہ (الحجید: ۲۵)
- ۲۔ انسانی زندگی میں بدی کی جملہ قوتوں کو شکست دے کر نیکی اور خیر کا رجحان ابھانے اور فطرت انسانی کے حقیقی مضمرات و امکانات کو بالفعل فطرت میں ڈھال کر سیرت و کردار کی تعمیر کرنے میں عدل کا کردار بنیادی ہے کہ عدل ہی تمام نیکیوں اور محاسن اعمال کی اساس ہے۔ عدل و توازن کا جذبہ انسان کو ایسے سانچے میں ڈھال دیتا ہے کہ اس کے لیے ہر برائی اور بے حیائی سے اجتناب اور کنارہ کشی ممکن ہو جاتی ہے اسی لیے اخلاقی اور معاشرتی احکام و اوامر

لگے ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی چیزیں دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔

کے سلسلہ میں سب سے پہلے عدل کا ذکر فرمایا ہے: ان الله يامر بالعدل  
والاحسان الاية

۳۔ اسلام میں عدل و انصاف کا دائرہ صرف اجتماعی امور اور باہمی معاملات تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ ہر شعبہ زندگی میں اور انسانی کردار کی ہر سطح پر عدل کا نفاذ چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں عدل کی مجلس تعلیم پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ انفرادی سے لے کر اجتماعی زندگی تک اور گفتار سے لے کر کردار، اخلاقی،

روحانی، عائلی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور قانونی زندگی کے ہر پہلو میں عدل قائم کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہوں آیات ذیل،  
نساء، ۱۵۳، انعام ۱۵۳، بقرہ ۲۸۲، نساء ۱۳۵، حجرات ۹، وعیزہ۔

۴۔ شرعی احکام اور فقہی قوانین کی اساس و بنیاد عدل ہی ہے اور اسی عدل کی نسبت سے شریعت اسلامی میں اخلاق سے لے کر سیاست، معیشت اور معاشرت تک تمام شعبہ ہائے زندگی مل کر ایک وحدت و کل بناتے ہیں۔ علامہ ابن القیم کہتے ہیں:

ان الله ارسل رسله وانزل كتبه ليقوم الناس بالقسط  
وهو العدل الذي قامت به الارض والسموات فاذا ظهرت  
امارة العدل واسفر وجهه بأى طريق كان فتم شرع الله ودينه۔  
یعنی نظام عالم کی بنیاد عدل ہی بعثت کا مقصود بھی ہے اور جس بھی ذریعے اور طریقے سے عدل کا تحقق ہو وہی شریعت اور دین قرار پائے گا۔ اس سلسلہ میں  
ڈاکٹر مصطفیٰ زرقا کا یہ بیان قابل غور ہے کہ ”اسلام کی تین بنیادیں ہیں۔

۱۔ عقل انسانی کی خرافات و لغویات سے آزادی۔

۲۔ فرد کی روحانی، نفسیاتی اور اخلاقی اصلاح۔

۳۔ معاشرہ میں قیام عدل وانصاف اور استقرار امن وامان“

ڈاکٹر علی انجینئر رقمطراز ہیں کہ شریعت اسلامی کے اصول وقواعد اور تمام اعراض و مقاصد تین اساسی امور میں سمٹ آتے ہیں جو شریعت کی بنیادیں قرار پاتی ہیں۔ یہ بنیادیں لوگوں کی مصلحتوں کی پاسداری، ان کے لیے آسانی و سہولت پیدا کرنا اور ان کے درمیان عدل وانصاف کا قیام ہے۔

۵۔ اسلام میں عدل وانصاف کی حدود اس قدر وسیع ہیں کہ دینی امتیاز اور مذہبی تفریق سے بھی بالاتر پہنچتے ہوئے زندگی کے ایک عالمگیر اور آفاقی اصول کی حیثیت سے اس کی تکمیل کا حکم دیا گیا ہے، ولای جبر منکم شنان قوم علی الاتعد لوالئہ عدل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور سب سے بڑا فتنہ کسی قوم کی دشمنی اور عداوت ہے اور اس راہ میں سب سے زیادہ کٹھن منزل وہ ہے جب عدل کی زد اپنی ذات پر پڑتی ہو لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عدل وانصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی پلڑے کو ٹھکانہ سکے۔ ”کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علی انفسکم... الایرۃ۔ یوں اسلام نے انصاف اور مساوات قائم کر کے ایک طرف اخوت دینی کی بنیاد رکھی اور دوسری طرف اخوت انسانی کی۔

۱۱۔ اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کر دے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو۔  
۱۲۔ انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو جاؤ چاہے وہ تمہارے

خلاف ہی ہو۔

## قیامِ عدل... حکومت کی بنیادی ذمہ داری

یونانی حکماء سے لے کر حال کے سیاسی مفکرین تک سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ مدنی الطبع انسان کے لیے ایک ہمیشہ اجتماعیہ کی ضرورت بدیہی ہے اور اجتماعی زندگی کے نظم کا قیام بہ حال ایک قوتِ قاہرہ، جسے ریاست کہتے ہیں، کا محتاج ہے کیونکہ فطرتِ انسانی جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کی خاطر ظلم و تشدد اور بغاوت و سرکشی کے کثیف جذبات سے آلودہ بھی ہے اور اپنے حقوق کی حفاظت اور سلامتی کی خواہاں ہونے کے باعث عدل و انصاف کی متقاضی بھی۔ پس عملی زندگی کا تجربہ اور انسانی فطرت کا علم یہی بتاتا ہے کہ انسانی معاشرہ کی بقا و ترقی کے لیے حکومت کا وجود ناگزیر ہے جس کا اولین فریضہ عدل و انصاف کی اساس پر تمدن کی تنظیم ہے کہ عدل ہی پر جماعت اور حکومت کا نظام قائم ہے اگر یہ نہ ہو تو جماعت اور حکومت کا شیرازہ کچھ جھٹے اور کسی کی جان و مال اور آبرو و سلامت نہ رہے۔ ابن سینا کہتے ہیں۔

”اجتماعی زندگی گزارنا انسان کی فطری مجبوری ہے اور زندگی کی گاڑی چلانے کے لیے مشارکت و تعاون لازمی ہے جس کا نتیجہ باہمی لین دین اور معاملات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، معاملات کا تقاضا ہے کہ ان کے لیے عدل و انصاف کے قوانین متعین ہوں، یہاں قانون اور حکومت کی بنیاد و حقیقت عدل ہی پر ہے اسطونے سچ کہا ہے کہ ”العدل قوام الملک“ یعنی عدل حکومت و سلطنت کی عمارت کا ستون ہے، اور حضرت علیؑ کا یہ ارشاد تو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ ”الملك یبقی مع الکفر ولا یبقی مع الظلم...“ یعنی کفر پر مبنی حکومت تو قائم و باقی رہ سکتی ہے

مگر ظلم و نا انصافی کے ساتھ حکومت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی۔

دین فطرت اسلام نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی ترتیب و تہذیب اور نشو و ارتقاء کے لیے جو ادارے قائم کئے ہیں ان میں ریاست کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اسلامی زندگی کے لیے اسلامی حکومت کے ناگزیر ہونے پر اہمیت کا اجماع ہے، ارشاد نبوی ہے:

الاسلام والسلطان اخوان تو امان لا یصلح احدہما الا بصاحبہما فالاسلام

اُس والسلطان حارس ومالا اُس لہ یهدم ومالا حارس لہ ضائع ۛ

یعنی اسلام اور سلطان (خلیفہ) ”جڑواں بھائی ہیں جو اپنی بقا کے لیے ایک دوسرے کے محتاج ہیں، اسلام (معاشرہ کی) بنیاد مہیا کرتا ہے اور سلطان اس کی حفاظت کرتا ہے۔ پس جس شے کی بنیاد نہ ہو وہ منہدم ہو جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ ضائع و رائیگاں۔

اسلام میں دنیا دین سے الگ نہیں اور وہ دونوں کے امتزاج سے عمرانی

اساس پر ریاست کا ایک مربوط نظام پیش کرتا ہے جس کی روحانی بنیاد اگر خدا کی عبادت اور منع شرک متعین ہوتی ہے تو غایت نظام تمدن کی استواری کے لیے عدل و انصاف کا قیام قرار پاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ریاستی اقتدار کے مفہوم کو ظاہر کرنے کے لیے جتنے بھی الفاظ وارد ہوئے ہیں مثلاً استخلاف فی الارض، تمکن فی الارض، وراثت الہی، امر حکم، امانت و غیرہ ان سب میں اختیار و اقتدار سے زیادہ عدل گستری اور حق پڑوہی کا مفہوم اور روح پائی جاتی ہے اور لفظ حکم اور حکومت کے اصل لغوی معانی ”القضاء بالعدل“ ہی کو حکومت و ریاست کی غایت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے حکومت کے تنظیمی اصولوں کی تہ میں بندگان خدا میں نفاذ عدل کا

تصور دیا اور اسے دین کا ایک حصہ ٹھہرایا اور ابن تیمیہ نے سیاست الشریعہ میں امیر کا سب سے بڑا فرض یہ بتایا ہے کہ وہ امانت کو اصل لوگوں کے سپرد کرے اور خدا و رسول کے احکام کے مطابق عدل قائم کرے۔ ارشاد خداوندی: ان الله يأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلہا واذ احکمتم بین الناس ان تعکموا بالعدل لئلا ینزل علیکم العذاب وکونتم من الخاسرین۔

سے عیاں ہے کہ اسلامی ریاست کا نصب العین احکام خداوندی کے تحت دین و دنیا کے معاملات میں معاشرے کے امور کا انتظام، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تنفیذ اور مختلف طبقات انسانی کے درمیان عدل و انصاف کے اصول پر مساوات اور خوشحال زندگی کے نظم کا قیام ہے۔

عدل قرآن کریم کی رُو سے اللہ تعالیٰ کا اہم ترین وصف ہے، جسے قرآن میں کئی بار مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ "والله یقول الحق" میں عدل قولی کی طرف اور "والله یقضی بالحق" میں عدل عملی کی طرف اشارہ ہے اور "وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا" میں دونوں یکجا ہیں۔ پس "عدل" اللہ تعالیٰ کی نمایاں صفت ہے اور انسان اس کائنات ارضی میں خدا کا خلیفہ ہونے کے ناطے اس امر کا پابند ہے کہ نظم حیات میں خدا کی اس صفت کی بھرپور عکاسی کا اہتمام کرے کہ خلافت کا نشانی ہی ہے ارشاد خداوندی۔

یاد اوداناجعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق  
اے دادہم نے بنایا تمہیں خلیفہ زمین میں لہذا فیصلہ کیجئے لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ۔

نہ بیک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔  
تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

\_\_\_\_\_ میں استخلاف فی الارض کی غرض و غایت حکومت بالحق یعنی بالعدل بیان کی گئی ہے۔

پھر اسلامی تصور ریاست کی رُو سے حکومت و امامت کی حقیقت صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت و خلافت ہے جیسا کہ الماوردی، ابویعلیٰ، ابن خلدون و غیرہ سبھی مفکرین اسلام نے اس کی تصریح کی ہے اور قرآن کریم سے یہ اظہر من الشمس ہے کہ بعثت و رسالت کا مقصود قیام عدل و انصاف ہے۔ پس نبوت کی وراثت و جانشینی میں حکومت اسلامیہ کا اولین فریضہ بھی اسی مقصود بعثت کی تکمیل ٹھہرتا ہے۔ یوں جلد سیاسی نظریات اور اسلامی تصور خلافت کی روشنی میں، ہیئت عمرانیہ انسانیہ کی تکوینی سنن الہیہ سے مطابقت پذیری اور بدی الوہی اقدار زندگی کے مطابق صورت گیری کے لیے اس و بنیاد اور غایت و منتہی ”عدل“ ہی ہے جو ریاست کا اساسی وظیفہ ٹھہرتا ہے۔

خلافت نام ہے رسول  
اسلامی حکومت میں نفاذ عدل کے ادارے

جانشینی کا تا کہ دین کی حفاظت ہو اور دین کا انتظام برقرار رہے اور ظاہر ہے کہ دین کی حفاظت اور عمرانی نظام کی برقراری کا اہتمام کسی فرد واحد کے بس کا روگ نہیں اس کے لیے افراد کے باہمی تعاون و مشارکت اور منظم اجتماعی اداروں کی ضرورت ہے جو خلیفہ کے کام میں اس کا ہاتھ بٹاسکیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں

سماکان الملك لا يستطيع اقامة هذه المصالح كلها بنفسه

وجوب ان یکون لذبازاء کل حاجة اعوان ۱۱ھ

یعنی جبکہ بادشاہ تہمتا تہمتن کی تمام مصلحتوں کو سرانجام نہیں دے سکتا تو اس کے لینے ہر کام کیلئے معاونین کا ہونا ضروری ہے۔ یوں اسلام ریاست کے عملی اور نظمیاتی پھیلاؤ کے حق میں ہے تاکہ مملکت کی اجتماعی زندگی کو برقرار رکھنے اور فرد کی شخصیت کو فروغ دینے کی خاطر ہر ضروری عمل کے لیے ایک ضروری ایجنسی یا ادارہ یا قاعدہ طریقہ سے سنوار دیا جائے جس کے ذریعہ وہ عمل بے کم و کاست جاری رہے، ابن خلدون رقم طراز ہے۔

وله علی کل حال مراتب خادمة ووظائف تابعة تتعین خططا  
وتتوزع علی رجال الدولة ووظائف فیتتم بذلك أمر الملك ویحسن  
قیامہ بسطانہ، فاعلم ان الخطط الدینیة الشرعیة من الصلوة  
والفتیاء والقضاء والجهاد والحسبة کلها مندرجة تحت الإمامة  
الکبری التي هی الخلافة ۱۲ھ

یعنی حکومت یا خلافت کا کام انجام دینے کے لیے ذیلی مناصب اور صیغے ہوتے ہیں اور مختلف کام اراکین حکومت پر بٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس سے خلیفہ اپنے فرائض سے بحسن و خوبی حمدہ برا ہو پاتا ہے پس جملہ ذیلی مناصب جیسے ناز، قتلے، قضا، جہاد اور سب و چیزہ امامت کبریٰ یعنی خلافت میں مندرج اور شامل ہیں۔

عدل وانصاف کا قیام چونکہ خلافت و حکومت کا اولین فریضہ اور بنیادی مقصد ہے اس لیے انفرادی اور اجتماعی سطح پر اس کا نفاذ مختلف اداروں کا محتاج ہے، اجتماعی سطح پر عدل نافذ کرنے والے ادارے حسب ذیل ہیں:

(۱) قضاء (۲) افتاء (۳) شرطہ (۴) حسبہ (۵) دیوان المظالم۔

زیر نظر مضمون میں ہمارے پیش نظر اسلامی معاشرے میں نفاذِ عدل کے سلسلہ میں ان اداروں کے کردار کا اجمالی جائزہ لینا ہے۔

## قضا

قانون ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے کہ اس کے بغیر تمدن معاشرہ کا تصور ہی ممکن نہیں، اجتماعی شیرازہ بندی، حقوق کا تحفظ، منظم کی روک تھام اور عدل و توازن کا استقرار قانون کا بنیادی مقصد ہے اس لیے قانون کی حکمرانی کا تصور بھی اسی قدر قدیم ہے جب قدر سوسائٹی میں عدل و توازن قائم کرنے کا شعور و احساس۔ اور ظاہر ہے کہ قانون کی حاکمیت ایک عدالتی نظام کے قیام پر منحصر ہے کیونکہ قانون اور عدل کی محافظت اور تنفیذ کا سب سے بڑا ذریعہ عدالتی نظام ہی ہے۔

اسلام میں جس قدر اہمیت عدل و انصاف کے نفاذ اور قانون کی حاکمیت کو حاصل ہے اسی قدر نفاذِ قانون اور قیامِ عدل کے اس سب سے بڑے ادارے یعنی قضا کو حاصل ہے کہ قضا کے بغیر ایسے معاشرے کا تصور بھی ناممکن ہے جس میں لوگوں کے حقوق میں معقول توازن و تناسب پایا جاتا ہو اور ہر فرد کو بغیر کسی رکاوٹ کے اس کا حق مل جاتا ہو یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نظامِ قضا کا قیام اور ایک بالاتر عدلیہ کی تشکیل اہمیت مسلمہ کا فرض قرار دیا ہے۔

اسلام کے نظامِ قضا کے تمام پہلوؤں پر یہاں بحث کرنا دشوار بھی ہے اور حاصل بھی، البتہ موضوع سے متعلق بعض امور کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

قضا کی تنظیم اور خصوصیات صدر اسلام میں

عہد جاہلیت کے قبائلی نظام میں کسی منظم عدالتی

ادارے کی تشکیل تو درکنار، تصور بھی ممکن نہ تھا اس لیے انصاف ایک انفرادی شے تھی، ہر شخص خود ہی اپنے حقوق کے تحفظ اور ظلم کا بدلہ لینے کی کوشش کرتا تھا۔ معاملات کے فیصلے کے لیے حکم، سردار قبیلہ، اور کاہن و عرف و غیرہ سے رجوع کرنے کی مثالیں تو ملتی ہیں لیکن قضا کی یہ تمام صورتیں کسی قاعدے اور ضابطے کی پابند نہ تھیں اور نہ ہی کوئی بااختیار انتظامیہ ان کی تنفیذ کی ذمہ دار تھی۔ اسلام نے قضا کی عرف و عادت پر مبنی ان تمام شکلوں کی بساط لپیٹ کر ایک پاکیزہ اور عادلانہ نظام قضا جاسی کیا اور انصاف کو ایک مرکزی اور حکومتی شے بنا دیا چنانچہ دنیا کے پہلے تحریری دستور ”میثاق مدینہ“ میں یہ تصریح ملتی ہے کہ اس معاہدہ میں شامل ہونے والے تمام افسراد اپنے تنازعات اور مقدمات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کریں گے۔

عہد رسالت میں تشریح، تنفیذ اور قضائینوں مناصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے البتہ عارضی طور پر کسی مقدمے کے فیصلے اور اسکے نفاذ کے لیے اپنے نائب اور نائندے کے طور پر کسی صحابی کو مامور فرما دیا کرتے تھے یوں اس صحابی کا فیصلہ بھی گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیصلہ ہوتا تھا۔ جب اسلامی ریاست کا دائرہ وسیع ہو گیا تو آپ نے مختلف علاقوں میں اپنی جانب سے والی اور حکام مقرر فرما کر قضا کی ذمہ داریاں بھی ان کے سپرد کر دیں، یوں عہد رسالت میں قضا انتظامیہ ہی میں شامل تھی، وجہ یہ تھی کہ حکومت کے کام نہایت مختصر تھے، فطری ساوگی بدین اور انصاف پسندی کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے مقدمات و تنازعات بہت کم پیش آتے تھے لہذا مستقل قاضیوں کے تقرر کی حاجت نہ تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں قضا کا نظام تقریباً انہی خطوط پر چلتا رہا جن پر عہد رسالت میں تھا جزیرہ عرب کو صدیق اکبرؓ نے متعدد وصولوں میں تقسیم کر کے ہر صوبے میں ایک والی مقرر کر رکھا

تھا جس کے ذمہ اقامتِ صلوة، تعلیمِ دین اور نظم و نسق کے امور کے ساتھ ساتھ لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ اور حدود و قصاص کا نفاذ بھی تھا۔

عمدِ فاروقی نہیں خلافت کی سرحدیں بہت زیادہ وسیع ہو گئیں، مختلف اقوام کے ساتھ ربط و ضبط میں ترقی ہوئی اور خلیفہ پر سلطنت کے مسائل کی غیر معمولی کثرت ہو گئی تو ایک مستقل اور آزاد نظامِ عدالت کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ زہری کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے عدلیہ کا کام کام حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا اور ہر صوبے میں مستقل اور آزاد قاضیوں کے تقرر کا سلسلہ شروع کیا قاضی کا انتخاب براہِ راست خلیفہ کا کام تھا اور اس انتخاب میں غیر معمولی علمیت و بصیرت تقویٰ<sup>۱</sup> عدالت اور منصفانہ فطرت کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ قاضیوں کے لیے حضرت عمرؓ نے ایک لائحہ عمل تجویز فرمایا تھا جو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام آپ کے مکتوبِ گرامی کی صورت میں دستیاب ہے۔ معاشرے کے اندر نفاذِ عدل میں منصبِ قضا کی غیر معمولی اہمیت اور اسلام میں عدالتی دستور کی اصولی بنیادوں کا اندازہ لگانے کے لیے اس مکتوب کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ ”عدالت میں مدعی اور مدعی علیہ کو ایک نظر سے دیکھو، ان کی نشست گاہ تک میں کسی قسم کا امتیاز نہ کرو۔ عدل و انصاف میں کسی کی رعایت نہ کرو کسی بڑے آدمی کو کوئی ناجائز توقع اور کمزور کو انصاف سے باہوسی پیدا نہ ہو۔ بار ثبوت مدعی کے ذمہ اور مدعی علیہ پر قسم ہے فریقین کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے باہمی مصالحت کی اجازت۔ جن جدید مسائل میں تردد پیدا ہو ان میں عقل و درایت سے کام لو اور سابقہ مسائل نظر ثانی کی روشنی میں عذر کرو۔ مدعی کو باآسانی گواہ اور

ثبوت پیش کرنے کی مہلت دو۔ مسلمان ایک دوسرے کے لیے بطور عادل گواہ پیش ہو سکتے ہیں بجز تہمت زدہ اور شبہہ افراد کے دیکھو اقلق واضطراب اور ازبیت رسانی کی روش سے ہمیشہ بچنا۔

قضا کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بھی وہی راستہ اختیار کیا جس پر شیخینؓ کا مزن تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعد میں آنے والا ہر خلیفہ اپنے پیشتر خلفاء کے فیصلوں کو لازماً نظر (PRECEDENTS) کے طور پر اپنے فیصلوں کا ماخذ بناتا، البتہ نئے پیش آمدہ مسائل میں قاضی کو قرآن و سنت کی بنیاد پر اپنے اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل تھا جیسا کہ حدیث معاذؓ سے عیاں ہے۔ تھناة کی ان اجتہادی کاوشوں نے آگے چل کر نہ صرف عدالتی امور میں بطور نظر شاہم کردار ادا کیا بلکہ فقہی احکام کی تدوین میں بھی ان سے بہت کام لیا گیا۔ خلافت راشدہ کے عہد میں محکمہ تضانہایت سادہ اور مختصر تھا۔ قاضی کے لیے کوئی پیش کار یا کاتب نہ تھا اور نہ ہی عدالتی فیصلوں کے اندراج کے لیے کوئی فائل اور رجسٹریشن کا کوئی انتظام تھا۔ وجہ یہ تھی کہ فیصلے کے بعد فوراً ان کا نفاذ قاضی بذات خود کر دیتا تھا اور بسا اوقات خود محکوم علیہ اپنے آپ کو نفاذ کے لیے پیش کر دیتا تھا۔ پھر لوگوں میں اخلاقی قدروں اور قانون کے احترام کا بھرپور جذبہ بھی موجود تھا اور قاضی کی شخصیت تقویٰ و پاکیزگی اور رعب و شوکت کے امتزاج کے باعث اپنے فیصلوں پر اعتماد اور احترام کی ضمانت بھی رکھتی تھی جس کے باعث لوگوں کو اپیل یا انحراف کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ بعد کے ادوار میں جب سیرت زوال کا شکار ہو گئی اور احترام قانون اور قاضی پر اعتماد میں اضمحلال آ گیا تو رفتہ رفتہ عدالتی تنظیم میں ارتقاء اور پمپدی آئی گئی۔ چنانچہ خلیفہ مدی عباسی کے عہد میں قاضی القضاة

کا منصب وجود میں آیا جو عدہ جدید کے وزیر عدل و انصاف کے ہم پلہ تھا۔ قاضی القضاة کے فرائض و اختیارات از حد وسیع تھے۔ تمام عالم اسلام میں قاضیوں کے تقرر سے لے کر فیصلوں تک جملہ عدالتی امور کی نگرانی چیف جج کے قبضہ اختیار میں تھی۔ منصور کے زمانے میں ایسے مستقل گواہوں کی ایک باقاعدہ فہرست تیار ہونے لگی جو شہادت کے اسلامی معیار پر پورے اترتے تھے۔ دوسری صدی ہجری کے اواخر سے قاضی کے ساتھ ایک معاون "صاحب المسائل یا مزکی" مقرر کیا جانے لگا جس کا کام گواہوں کی عدالت کے سلسلے میں تفتیش کرنا تھا۔ نور الدین محمود کے زمانے ایک "دارالعدل" تشکیل دیا گیا۔ جس سے قضاے ایک پورے محکمہ کی شکل اختیار کر لی۔

**قضا کی اہلیت کے شرائط** | قضا کا منصب اپنی نزاکت و اہمیت کے لحاظ سے حکومت کے دوسرے تمام مناصب پر

فوقیت رکھتا ہے۔ ملک کی ترقی اور خوشحالی اس منصب کی پاکیزگی اور حریت پر موقوف ہے اگر اس منصب میں فساد و اختلال رونما ہو جائے تو کوئی چیز ملک کو تباہی اور ہلاکت سے نہیں بچا سکتی۔ نظام الملک طوسی رقمطراز ہے "ملک در محمزنوں کو جو چیز قائم رکھتی ہے، وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے جو نیک عمل میں مضمر ہے اور اس کے حصول کا واحد ذریعہ عدل گستری اور انصاف پرستی ہے" اور اس میں شک نہیں کہ ایک آزاد اور تمام اثرات سے بالاتر عدلیہ کی موجودگی ہی قانون کی حکمرانی اور عدل کے نفاذ کی ضمانت ہے۔ قضا کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر ہی فقہاء کرام نے اس منصب پر تقرر کے لیے اہم شرائط بیان کی ہیں۔ امام ابو الحسن المادری نے قاضی کی سات شرطیں ذکر کی ہیں۔

۱۔ مسلمان ہونا، ارشاد خداوندی و لسن يجعل الله للكفرین علی المؤمنین۔

سبب لاکھ سے ثابت ہے کہ کافر کا فیصلہ مسلمانوں پر نافذ نہیں ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک عیز مسلم اپنے ہم مذہبوں کا قاضی ہو سکتا ہے۔

۲- بالغ مرد ہونا۔ نابالغ خود "اہلیت و جوب" سے محروم ہے تو دوسروں پر اپنے حکم کا نفاذ کیونکر کر سکتا ہے؟ عورتوں پر مردوں کو فوقیت حاصل ہے الرجال قوامون علی النساء الخ "پس عورتیں مردوں پر حاکم نہیں بن سکتیں۔ امام اعظمؒ کے نزدیک جن معاملات میں عورتوں کی شہادت جائز ہے، ان میں قضا بھی درست ہے۔

۳- صاحب عقل و ہوش ہونا۔ قاضی کے لیے ہوشیار، ذکی الطبع اور سہو و غفلت سے محفوظ ہونا لازمی ہے۔ تاکہ مشکل اور سخت معاملات کی گتھی سلجھا سکے۔

۴- آزاد ہونا۔ غلام بے اختیار اور گواہی دینے کے لیے بھی نااہل ہے۔

۵- عادل ہونا۔ عدالت سے مراد یہ ہے کہ صادق القول، امین، پاکدامن، پھینکار، شبہات سے محفوظ، خوشنودی و ناراضگی میں یکساں قابل اعتماد و اطمینان ہو۔ ان صفات میں سے کسی ایک صفت کا بھی فقدان منصب قضا کے لیے نااہل بنا دیتا ہے۔

۶- قوت سامعہ اور قوت باصرہ کی سلامتی بھی ضروری ہے تاکہ اثبات حقوق کی صحت، مدعی و مدعی علیہ میں فرق اور اقرار و انکار کرنے والوں میں امتیاز ممکن ہو۔ البتہ دیگر جسمانی عوارض سے سلامتی قضا کے لیے ضروری نہیں۔

۷- مجتہد ہونا۔ علوم شرعیہ کے اصول سے واقفیت تامہ اور فروع میں اعلیٰ مدار

کے اور ائمہ کافروں کا ہرگز مومنوں پر غلبہ نہ ہونے دے گا۔

رکھنا قاضی کے لیے ضروری ہے۔ علامہ ماوردی فرماتے ہیں :

فَاذْأَحَاطَ عِلْمُهُ بِهَذِهِ الْأَصُولِ الْأَرْبَعَةِ فِي أَحْكَامِ الشَّرِيعَةِ  
صَارَ بِهَا مِنْ أَهْلِ الْاجْتِهَادِ فِي الدِّينِ وَجَازِلُهُ أَنْ يَفْتِيَ وَيَقْضِي  
..... وَأَنْ أَخْلَى بِهَا أَوْ بَشَى مِنْهَا خَرَجَ مِنْ أَنْ يَكُونَ  
مِنْ أَهْلِ الْاجْتِهَادِ فَلَمْ يَجْزِ أَنْ يَفْتِيَ وَلَا أَنْ يَقْضِيَ فَإِنْ  
تَقَلَّبَ الْقَضَاءُ فَحُكْمٌ بِالصَّوَابِ أَوْ الْخَطَاءِ كَانَ تَقْلِيدُهُ  
بِاطِلًا وَحُكْمُهُ وَإِنْ وَافَقَ الْحَقَّ وَالصَّوَابَ مَرْدُودٌ أَشَلُّهُ

یعنی اگر اصول اربعہ (کتاب، سنت، اجماع اور قیاس) اس کے حیث علم میں داخل ہوں تو ارباب اجتہاد میں شامل ہوگا، اس کو مفتی و قاضی بننا و بنا نادونوں جائز ہوگا اور اگر اصول اربعہ سے قطعاً نا بلند ہے یا بعض کو نہیں جانتا تو مرتبہ اجتہاد سے ساقط ہے نہ اس کا افتاء جائز ہے نہ تصفیہ مقدمات۔ اگر قاضی مقرر کر دیا گیا تو خواہ صحیح فیصلے کرے یا غلط بہر صورت اس کا تقرر باطل ہوگا اور تمام احکام درست یا غیر درست مردود ہوں گے۔

امام اعظمؒ کے نزدیک عین مجتہد کی قضا جائز ہے کہ وہ معاملات و مقدمات کو فتویٰ حاصل کر کے فیصلہ کر سکتا ہے اس سلسلہ میں بعد کے اکثر علماء نے اضطرابی اور ہنگامی حالات میں امام اعظمؒ کے مذہب کے مطابق عین مجتہد کی قضا کے جواز کا فتوے دیا۔ قاضی کی اہلیت کے سلسلہ میں اس حقیقت کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسلام میں قہم و ذکاہ قضا کا بنیادی رکن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قضا کا تعلق احکام کی ظاہری مقررہ صورتوں کے نفاذ اور مقدمات کی ظاہری ہیبت اور شہادت و ضوابط کی تکمیل کے بعد فیصلہ تک رسائی سے ہے جبکہ واقع اور حقیقت میں صدق و حق قاضی

کے فیصلے کے برعکس بھی ہو سکتا ہے اس لیے حقیقی عدل و انصاف کے قیام کے لیے معاملات کی تہ تک رسائی اور مقدمہ کی ظاہری ہیئت سے ہٹ کر حق و سچائی کا کھوج قاضی کا فرض ہے تاکہ غلط فیصلہ سے معاشرہ میں اضطراب و اختلال جنم نہ لے سکے اور ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں قاضی کے لیے سب سے زیادہ اہم چیز فہم و ذکا، بصیرت و درمیانی، معاملہ فہمی اور فطانت و ذہانت ہے۔

### قاضی کے فرائض و اختیارات

بنیادی طور پر قاضی کا منصب فصل خصوصاً اور قطع منازعات ہے لیکن اسلامی تاریخ

کے مختلف ادوار میں خلفاء قاضی کو بہت سے فرائض اور اختیارات بھی سونپتے رہے ہیں۔ ابن خلدون لکھتا ہے ”خلفاء اور سلاطین نے خلافت کے کاموں میں مصروف رہنے کے باعث قاضیوں کو تدریج و بیکر عمدے بھی ڈیٹے اور آخر میں تو قاضیوں کو مقدمات کی فیصلوں کے اختیارات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے بعض عام حقوق کی حفاظت کے اختیارات بھی حاصل تھے“

ذیل میں ہم امام ماوردی وغیرہ کے بیان کردہ قاضی کے اختیارات مختصر بیان کرتے ہیں۔

۱۔ تنازعات اور جھگڑوں کو فیصل کرنا۔

۲۔ اقرار یا شہادت کے ذریعہ ثابت شدہ حقوق لوگوں کو دلوانا۔

۳۔ ممنوع التصرف لوگوں (بچے، فاجر، عقل، سفید اور مفلس وغیرہ) کے اموال و

جائداد کی حفاظت اور ان کے تصرفات پر قدغن لگانا۔

۴۔ اموال یتیمی کی حفاظت۔

۵۔ اوقاف کی نگرانی۔

۶۔ وصیتوں کا نفاذ ان کی شرائط کے مطابق۔

- ۷۔ بیوہ عورتوں کے ولی نہ ہوں تو ان کے نکاح کے بارے میں کفر کی نگرانی کرنا۔  
امام اعظم کے نزدیک یہ امر قاضی کے فرائض میں داخل نہیں۔
- ۸۔ شرعی حدود کا جاری کرنا۔
- ۹۔ راستوں اور مکانات کی تعمیرات اور اصلاحات کی دیکھ بھال۔
- ۱۰۔ گواہوں، امینوں اور نائبوں کے حالات کی سراغ رسانی۔
- ۱۱۔ دارالفرب (مکسال) کی نگرانی۔
- ۱۲۔ رویت ہلال کا انتظام۔
- ۱۳۔ بعض قاضی جیلوں کی اصلاحات اور نگرانی بھی کرتے تھے۔

## حدود اختیارات

- ۱۔ اسلام میں کوئی بھی شخص انصاف اور قانون سے بالاتر نہیں اس لیے قاضی کے اختیارات کا دائرہ رعایا کے تمام طبقات اور حکومت کے جدا فرسان حتیٰ کہ سربراہ مملکت تک محیط ہے۔ چنانچہ قاضی کا فرض ہے کہ حکمرانوں کی سرگرمیوں کو شریعت کے معیار پر جانچے اور ان کی کڑی نگرانی کرتے ہوئے انہیں سحر آف سے روکے رکھے۔
- ۲۔ فرائض عدل و انصاف کی حد تک قاضی کے لیے بجز اسلامی قوانین کی پیروی کے اور کوئی پابندی نہیں ہے اور اپنے تمام فیصلوں میں قاضی احکام الہی کا پابند ہے کہ خدا کے نازل کردہ قوانین کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ یا حکمرانوں کے تراشے ہوئے قوانین پر عمل کرنا ان کے مطابق فیصلے کرنا اور انہیں نافذ کرنا قرآن کریم کی رو سے ان انتہائی معاصی میں ہے جو عملاً کفر ہیں۔ ومن لہ

یوحکمہما انزل اللہ فاولیک ہر الکافرون - " (اور جو کوئی اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ تو کافر ہیں۔

۳ - غیر قانونی سرگرمیوں اور اقدامات کو قانونی قرار دینا (تحمیل ما حرم اللہ) اسلام کی رو سے قطعاً ناجائز ہے اس لیے عدلیہ کے کسی اعلیٰ ترین ادارے کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ حکومت کے کسی غیر قانونی اقدام کو اپنے فیصلہ کے ذریعہ قانونی قرار دے سکے۔

۴ - قانون شریعت کوئی جامد قانون نہیں ہے کہ محض قانون کی خاطر معاشرہ یا کسی فرد کو پریشان اور تنگ کیا جائے بلکہ عدل و مساوات کے تقاضوں کو پورا کرتے وقت مجبوریوں، ضرورتوں اور حالات کو پیش نظر رکھنا بھی قاضی کے فرائض کے شامل ہے۔ چنانچہ اگر عدل و انصاف کا تقاضا ہو تو مجتہد قاضی شرعی حدود میں رہتے ہوئے مناسب حد تک احکام میں تبدیلی کرنے کا مجاز ہے۔

اسلام کے نظام قضا کی نمایاں خصوصیات اس کے حسب ذیل بنیادی اصول و ضوابط

ضوابط سے عیاں ہیں۔

۱۔ عدلیہ کی آزادی اور مختاری

ابن عبد البر نے مفکدین کا خیال ہے کہ کسی ریاست کے متمدن اور غیر

متمدن ہونے کا اندازہ محض اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی عدلیہ کس حد تک با اختیار اور آزاد ہے۔ ایک مکمل طور پر با اختیار اور ہر قسم کے دباؤ سے آزاد عدلیہ ہی بیباکی اور جرات مندی کے ساتھ قانون کے مطابق

فیصلے کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ عدلیہ کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ قاضی تشریحیہ اور انتظامیہ کے ہر قسم کے اثر و رسوخ سے بالکل بالاتر ہو کر اپنے منیر کے مطابق فیصلے کر سکتا ہو۔ جب بھی عدلیہ کے وفار آزادی اور خود مختاری کا ذکر ہوتا ہے تو لوگ فرانس کے قانون دان "مانٹیکو" کا نام لیتے ہیں کہ اس نے عدلیہ کی آزادی اور انتظامیہ سے علیحدگی کا تصور دیا لیکن یہ حقائق سے چشم پوشی ہے۔ عدلیہ کو باوقار اور با اختیار بنانے کا تصور سب سے پہلے ایک باقاعدہ اصول کی صورت میں اسلام نے چودہ سو سال پیشتر عملاً پیش کیا۔ عدلیہ کا انتظامیہ سے الگ ہونا اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں میں سے ہے بلکہ قرآن و سنت کے احکام و قوانین کی دائمی حیثیت کا مطلب یہ ہے کہ عدلیہ کو انتظامیہ اور مقننہ دونوں پر بالادستی حاصل ہے۔ وہ انتظامیہ کے تمام اقدامات کو چیک کر سکتی ہے اور مقننہ کے بنائے ہوئے جملہ قوانین کو پرکھ کر خلاف شرع قوانین کو کالعدم قرار دے سکتی ہے۔

Rule of law

قانون کی حکمرانی

(گو ایک مغربی اصطلاح

## ۲۔ قانون کی حاکمیت و بالاتری

ہے جسے سب سے پہلے پروفیسر البرٹ ڈائسی نے اپنی کتاب —  
 Law of the constitution: میں استعمال کیا اور اس حاکمیت قانون  
 کے تین پہلو پیش کیے۔

(۱) کسی بھی فرد کو قانون کی خلاف ورزی کرنے پر عدالت مجاز کے سوا  
 اور کوئی سزا دینے کا مستحق نہیں۔

(۲) کوئی فرد خواہ کسی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ حیثیت کا حامل ہو۔ قانون سے

بالا نہیں ہو سکتا۔

(۳) فرد کے حقوق کا تحفظ دستاویز قانون سے نہیں بلکہ عدالت کے ذریعہ سے ہوتا ہے لہذا عدالت کا فرض ہے کہ وہ ہر قسم کے خوف و اثر سے بے نیاز ہو کر قانون کے نفاذ اور عدل کے استقرار کا کام انجام دے۔ قانون کی حکمرانی کے یہ تینوں اجزاء ہمیں ابتدا ہی سے اسلامی تعلیمات اور اسلام کے قائم کردہ معاشرہ اور عدالتی نظام میں مغرب سے کہیں زیادہ واضح، روشن اور سچے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں اس تفصیل کی گنجائش نہیں

۳۔ قانون کے سامنے سب کی برابری | اسلام میں قانون اور عدلیہ کے سامنے

بلا امتیاز مذہب و نسل اور طبقہ و اقتدار کے سب افراد کے درمیان مساوات کا اصول سختی سے اپنایا گیا ہے۔ حتیٰ کہ سربراہ ریاست کو بھی کوئی تحفظ اور امتیاز حاصل نہیں۔ ایک جلیل القدر سلطان اور ایک معمولی شخص عدالت میں مساوی حق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تاریخی ارشاد آج بھی جگمگا رہا ہے کہ ”میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اگر چوری کرے گی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا“

۴۔ انصاف کی مفت اور جلد فراہمی | اسلام میں انصاف ہر شہری کا بنیادی حق ہے اس لیے

انصاف رسانی کے سلسلہ میں کسی قسم کا کوئی معاوضہ لینا اسلامی تصور عدل کے منافی ہے۔ چنانچہ اسلامی طریقہ عدل و انصاف میں کورٹ فیس کا کوئی وجود نہیں اور نہ مدعی پر اس قسم کی کوئی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ اس کے ساتھ

ہی اسلام انصاف میں تعجیل یعنی جلدی کا قائل ہے اور ایک ایسا طریقہ کار رکھتا ہے جس سے انصاف میں تاخیر نہ ہونے پائے کیونکہ انصاف کا جلد حاصل ہو جانا بھی انصاف میں شامل بلکہ انصاف کی روح ہے اور انصاف میں تاخیر خود انصاف ہی کی نفی ہے۔

انصاف کی مہذب اور جلد فراہمی کے سلسلہ میں اصل الاصول ہے حکومت اور عوام کا باہمی تعلق اور رابطہ جس کے لیے اسلام نے "اقامت صلوة" کو ایک بہترین ذریعہ ارتباط و اتصال کے طور پر اپنایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مظلوم اور منصف کا درمیانی فاصلہ جتنا قریب کم اور آسان ہوگا اسی قدر انصاف جلد اور مستامیتیا ہوگا۔

۵۔ انصاف کے تقاضوں کی تکمیل ایک طرف تو اسلام یہ چاہتا ہے کہ انصاف نہ صرف ہو بلکہ ہوتا ہوا

نظر بھی آئے اور دوسری طرف وہ انصاف کے تمام تقاضوں کی تکمیل قاضی کا فرض ٹھہرتا ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل ضوابط و آداب کی تکمیل ضروری ہے۔

(۱) عدالت میں قاضی نہ کسی کو سلام کرے اور نہ کوئی اسے سلام کرے۔

(۲) مقدمات کے فیصلے تنہائی میں نہ کرے (کھلی عدالت کا اہتمام) مقدمہ کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم نہ کرے۔

(۳) مقدمہ کے فریقین کے ساتھ ہر معاملہ میں یکساں برتاؤ کرے۔

(۴) ہدایا و تحائف سے بالکل احتراز کرے۔

(۵) غصہ، بھوک اور جذباتی ماحول میں فیصلہ نہ دے۔

(۷) مدعی اور مدعی علیہ دونوں کے بیانات سن کر فیصلہ دے۔ وغیرہ وغیرہ۔

## افتاء

اسلام کی رو سے ذات خداوندی صرف محدود مذہبی معنوں میں ہی محدود نہیں بلکہ وسیع تر سیاسی اور قانونی مفہوم کے اعتبار سے حاکم، مطاع اور واضح قانون بھی ہے اس لیے اسلامی حکومت کے قوانین کا ماخذ کلام الہی (قرآن) اور عملی نمونہ نبوت (سنت) ہے۔ ہر ضرورت کے وقت اور ہر نزاع میں فیصلے کے لیے قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔ "ان تنازعتوقی شیء" فردوہ الی اللہ والرسول۔۔۔ الایہ۔ قرآن و سنت کی طرف رجوع کا یہ عمل "استفتاء" کہلاتا ہے اور ان مسائل کا شرعی حل پیش کرنا ادارہ "افتاء" کا کام ہے۔ یوں اسلامی حکومت میں عدل نافذ کرنے والے اداروں میں قضاء کے بعد بلکہ ایک اعتبار سے قضاء سے بھی زیادہ اہم ادارہ "افتاء" ہے۔

سطور ذیل میں اس ادارہ کا اجمالی تعارف موضوع کے اصل نقطہ یعنی "نفاذ عدل" پر ارتکاز کرتے ہوئے پیش کیا جاتا ہے۔

انفرادی طور پر ہر مسلمان اور اجتماعی طور پر مسلم معاشرہ احکام خداوندی کے مطابق زندگی بسر

کرنے اور قوانین اسلامی کے نفاذ کا پابند ہے کلمہ طیبہ پڑھتے ہی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اعلان و اقرار کر کے مسلمان "احکام الہی اپنی ذات پر لاگو اور نافذ کر لیتا ہے۔ لیکن چونکہ احکام پر عمل پیرائی مبنی ہے "علم و معرفت" پر اس لیے عمل سے پہلے احکام کا علم اور معرفت حاصل کرنا ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ قرار دیا گیا ہے "طلب العلم

فريضة على كل مسلم ومسلمة۔ (المحدث)۔ حصول علم کے دو ذریعے ہیں۔ ایک براہ راست مصادر احکام سے رجوع جو تعلیم یافتہ حضرات کا کام ہے اور دوسرا اہل علم سے استفادہ جو عوام اور ناخواندہ افراد کا فرض ہے۔ فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لاتعلمون ﷺ۔ "یوں استفادہ یعنی معرفت احکام کے لیے ادارہ افتاد سے رجوع ایک مذہبی فرض قرار پاتا ہے۔ دوسری طرف اسلام اہل علم کی اولین ذمہ داری یہ بتانا ہے کہ وہ احکام شریعت کا علم پھیلائیں اور لوگوں کو دین کے مقربہ کردہ حقوق و فرائض سے آگاہ کریں۔ اور قوانین خداوندی پر عمل پیرائی کی تلقین کریں۔ فسلوا نفر من کل فرقة منهم طائفة" ليتفقہو فی الدین ولینذروا قومہم اذ رجعوا الیہم لعلم ینذروہم (القرآن) اور میں سے افتاد کی ضرورت، اہمیت اور شرعی حیثیت واضح ہو جاتی ہے چنانچہ انہی حقائق کے پیش نظر فقہانے ہر شہر میں ایک اہل مفتی کا وجود فرض کفایہ قرار دیا ہے اور جس جگہ کوئی اہل مفتی موجود نہ ہو وہاں سکونت اختیار کرنا حرام اور وہاں سے ہجرت واجب ٹھہرائی ہے علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

فرض علی کل جماعة مجتمعة فی قریة او مدینة او حصن ان ینتدب منہم من یطلب جمیع احکام الدیانة... ثویقوم

ﷺ سوا اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھو۔

ﷺ یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہو کر سے تاکہ دین کی سچ پوچھ حاصل کریں۔ اور تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس آجائیں ڈراستے رہیں۔ عجب کیا کہ وہ

محتاج رہیں۔

بتعليمهم فان لم يجدوا في محلّتهم من يفهم في ذلك كله  
ففرض عليهم الرّحيل الى حيث يجدون العلماء المجتهدين في  
فنون العلوم وان بعدت ديارهم وان كانوا بالصين

افتاء کی اس اہمیت کے پیش نظر امت مسلمہ اور خلافت اسلامیہ  
کا یہ فرض قرار پایا ہے کہ وہ اہل مفتیوں کی تیاری و تربیت اور ادارہ افتاء کی  
تشکیل و تنظیم کے لیے ضروری وسائل و اقدامات سے کام لے۔ مدارس کی تشکیل  
طلبہ کا انتخاب، اخراجات کی کفالت اور پھر مناسب افتاء پر اہل افراد کا  
تقریباً سب خلیفہ کے فرائض ہیں۔ ابن خلدون رقم طراز ہے۔

فلاخليفة تصفح اهل العلوم والتدريس ورد الفتيا الى من هو  
اهل لها واعانتة على ذلك ومنع من ليس اهلا لها وزجوا  
لانها من مصالح المسلمين، فتجب عليه من اعانتها لئلا  
يتعرض لذلك من ليس له اهل فيفضل الناس له

یعنی خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ فتوے نویسی کے لیے علماء اور مدرسین میں سے  
کسی قابل عالم کو منتخب کرے، پھر اس کے کام پر اس کی اعانت کرے اور ہر ممکن  
سہولت مہیا کرے، نا اہلوں کو فتویٰ نویسی سے روک دے، کیونکہ افتاء مسلمانوں  
کے مصالح کا بنیادی ستون ہے جس کی حفاظت و نگہداشت خلیفہ پر واجب ہے  
تاکہ اس منصب میں نااہل لوگ داخل ہو کر لوگوں کو گمراہ نہ کرنے پائیں۔ معروف  
حنفی فقیہ ابن نجیم کہتے ہیں،

ينبغي للامام ان يسأل اهل العلوم المشهورين في عصره عن  
يصلح للفتوى لينع من لا يصلح ويتوسع بالاعتقوبته اذا عاد.

یعنی امام پر واجب ہے کہ اپنے زمانے کے معروف اہل علم افراد سے منصب افتاء کے لیے اہل مفتیوں کے بارے میں معلوم کرے۔ اور نا اہلوں کو فتوے نویسی سے روک دے اور مخالفت پر سزا دے۔ ادارہ افتاء کی تنظیم و نگرانی خلیفہ کا فرض اس لیے بھی ہے کہ ابن خلدون کی تصریح کیطابق افتاء بھی منجملہ ان مناصب و وظائف سے ہے جو خلافت و امامت میں شامل ہیں پھر چونکہ قیام عدالت شریعت کا مقصد ہے اس لیے ایسے تمام انتظامات جو عدل پر مبنی ہوں خلیفہ کی ذمہ داری قرار پاتے ہیں:

**افتاء کی اہلیت و شرائط** | منصب افتاء پر فائز ہونے والے کے لیے فقہاء کرام نے چار شرطیں مقرر کی ہیں:-

۱- اسلام؛ مفتی چونکہ احکام خداوندی کی روشنی میں مسائل کا حل پیش کرتا ہے اس لیے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

۲- بلوغ و عقل؛ مفتی کے لیے فہم شریعت ضروری ہے۔ اور یہ فہم و تفقہ عقل و بلوغ کا تقاضی ہے۔

۳- عدالت؛ دوسروں کو شریعت کی تعلیم دینے والے اور لوگوں کے دینی مسائل کا فیصلہ کرنے والے کے لیے بذات خود احکام شریعت پر عمل پیرا ہونا بدیہی ضرورت ہے، عدالت کا مفہوم پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۴- اجتہاد؛ مفتی کا کام چونکہ نئے پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل پیش کرنا ہے۔ اس لیے اجتہادی صلاحیت سے بے بہرہ شخص اس اہم کام کے لیے نااہل قرار پاتا ہے، مفتی کے لیے اہلیت اجتہاد کا ہونا ناگزیر ہے۔

عبدالنبی احمد نگر می نے دستور العلماء میں فتوے کے سلسلہ میں سات اہم

نکتے بیان کیے ہیں جو ایک مفتی کو اپنے پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

۱ - افتاء ثلاثی مزید کے پہلے باب افعال سے ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ کہ جو شخص درجہ افتاء کو پہنچ گیا اس کے لیے کامیابی کے مزید ابواب بھی کھلیں گے۔

۲ - مفتی کو صاحب فتوت ہونا چاہیے کیونکہ فتوے اور فتوت کے درمیان ان توفیق (ہم جنسی) ہے۔ اس لیے مفتی نہ تو مستغنی سے کوئی طمع رکھے اور نہ فتویٰ کی کثرت سے طلال یا بیزاری کا اظہار کرے۔

۳ - افتاء کے اول و آخر الف ہونے میں اشارہ ہے کہ مفتی کو ابتداء سے انتہا تک امور دین کے بارے میں استقامت و صداقت کا پیکر ہونا چاہیے۔

۴ - افتی ایک متعدی فعل ہے اس لیے مفتی کا علم بھی متعدی یعنی دوسروں تک اپنا نفع عام کرنے والا ہو،

۵ - افتاء میں پانچ حروف اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مفتی اسلام کے ارکان خمسہ کا بھی پورا پورا خیال رکھے۔

۶ - افتی باعتبار ثلاثی مجرد کے افعال غیر متصرفہ میں سے اور باعتبار ثلاثی مزید فیہ کے افعال متصرفہ میں سے ہے اس میں اشارہ یہ ہے کہ مفتی بنیادی نصوص اور اصول میں کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتا البتہ فروعات میں تصرف کر سکتا ہے۔

۷ - افتاء کی باعتبار اربعہ عددی قیمت ۲۸۲ ہے پس مفتی کے پاس اصول و فروع کی کتابوں کی تعداد اس سے کم نہیں ہونی چاہیے۔

۱ - مفتی کو اس حقیقت کا شعور و احساس نا  
مفتی کے فرائض و آداب | چاہیے کہ وہ جو کچھ کہہ یا لکھ رہا ہے اس کی

حیثیت دین اور شریعت کی ہے جس پر وہ خدا کے سامنے جواب دہ ہو گا۔ اس لیے ہر مسئلہ میں گہرے غور و فکر، امعان نظر اور طویل سوچ بچار اور حتی الامکان حق و راست تک رسائی کا ایتقان حاصل ہونے کے بعد فتویٰ صادر کرے کہ اس کا یہ فتوے انفرادی اور اجتماعی زندگی پر بڑے گہرے اور دور رس اثرات چھوڑے گا۔

۲۔ مفتی کے لیے سوال کرنے والے کے شہر یا بستی کے رسوم و عادات اور اسلوب حیات پر گہری نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ حالات، نوعیت معاملہ اور روح شریعت کی روشنی میں صحیح فیصلہ پر پہنچ سکے۔ اگر کسی معاملے میں شرعی حکم یا نوعیت معاملہ مفتی کے فہم سے بالاتر ہے تو فتوے دینے کے بجائے لاعلمی کا اظہار مفتی کے لیے مناسب بلکہ لازمی ہوگا۔

۳۔ مفتی پر لوگوں کے طے شدہ حقوق و فرائض کا ہو ہو بیان کر دینا فرض ہے۔ اس سلسلہ میں مسائل یا اس کے فریق منقابل کی خاطر لچک یا جھکاؤ قواعد افتاء کے خلاف اور حرام ہوگا۔

۴۔ مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیش آمدہ مسائل میں حسب ترتیب غورو فکر کر کے فتاویٰ صادر کرے عورت یا مسافر کو اگر جواب دینے میں تاخیر سے کسی ضرر کا اندیشہ ہو تو پھر ان کے مسائل پر پہلے غور کیا جاسکتا ہے ورنہ ترتیب تسلسل کا خیال نہ رکھنا بددیانتی شمار ہوگا۔

۵۔ مفتی کے لیے تہمت والزام کے مواضع سے اجتناب کرنا لازمی ہے تاکہ اس کا فتوے بلا تردد قبول کیا جاسکے۔ اس سلسلہ میں مسائل سے کسی قسم کا ہدیہ لینا بھی مفتی پر حرام ہے۔

۶۔ مفتی کے لیے نرم خو، متواضع اور بردبار ہونا ضروری ہے مسائل سے دشمنی یا تندی کی روش اپنانا منصب افتاء کے سنانی ہے۔ پھر مفتی پر عالمانہ وقار، شان اور سکون و طہانیت کا مظاہرہ بھی ضروری ہے کہ منصب افتاء کی توہین نہ ہونے پائے۔

۷۔ فتوے کی بنیاد مصادر شریعت پر استوار ہونی چاہیے، فتوے کی عبارت مختصر سلیس اور واضح ہو اور ایسی مرتب ہو کہ ”قانونی نص“ قرار پائے۔ فتوے بے دلیل نہیں ہونا چاہیے۔

افتاء کا تاریخی پس نظر

افتاء کا سلسلہ چونکہ عہد رسالت سے شروع ہوتا ہے اس لیے اس ادارہ کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود دین اسلام کی۔ البتہ فتویٰ پوچھنے اور فتوے دینے کے طریقے بدلتے رہے۔ عہد رسالت اور صحابہ کرامؓ کے دور میں فتاویٰ کا سلسلہ اکثر و بیشتر زبانی طور پر ہی چلتا رہا جس طرح دیگر علوم و معارف زیادہ تر زبانی روایت پر موقوف تھے۔ عہد رسالت میں تمام فتاویٰ کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرجع خلافت تھے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مہبط وحی اور شارع اسلام تھے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے، اپنے اجتہاد کے ذریعہ بعض دینی مسائل کے بارے میں فتاویٰ صادر فرمائے جن میں سے حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان صحابہؓ کے فتاویٰ کی تصویب فرمائی بلکہ اجرو ثواب کا وعدہ بھی فرمایا۔ دور نبوت کے بعد صحابہؓ کے عہد میں بھی افتاء کا سلسلہ جاری رہا۔ زیادہ تر فتاویٰ زبانی روایت ہوتے رہے، لیکن بعض فتاویٰ

تحریر میں بھی آئے۔ اس دور میں فتاویٰ کا منصب اجلہ صحابہؓ کے سپرد تھا۔  
ایسے ۱۳۰ جلیل القدر صحابہؓ کے نام تاریخ میں ملتے ہیں۔

تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی منصب افتاء اجلہ علماء کے سپرد رہا  
مثلاً سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، عطاء، علقمہ بن قیس، قاضی شریح  
ابراہیم نخعی اور حماد بن ابی سلیمان وغیرہ صحابہ کرامؓ کے عہد میں فتاویٰ کے سلسلہ میں  
مجتہدین کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف رائے موجود تھا۔ لیکن تدوین فقہ  
کے زمانے میں اس اختلاف میں بڑی وسعت پیدا ہوئی۔ جس کے بہت سے  
اسباب تھے۔ اس اختلاف رائے کے نتیجے میں اہل الحدیث اور اہل الرائے  
کے دو طبقے پیدا ہوئے۔ ائمہ مجتہدین کے دور کے بعد فتاویٰ کا اجرا اجتہاد کی  
جہائے تقلید کی بنیاد پر ہونے لگا کیونکہ ایک تو خلافت اسلامیہ کی وحدت ختم ہو  
گئی دوسرے اہل لوگوں سے منصب افتاء و اجتہاد کو بچانے کے لیے تقلید ہی کو  
شیوہ حیات بنا لیا گیا۔ جدید دور میں اجتہاد کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیا جا  
رہا ہے اور طے ہو رہا ہے کہ تقلید محض کی دگر سے نکلنے کی کوشش کی جائے اور لوگوں  
کی مصالح مرسلہ اور ترقی پذیر اسلامی معاشرے کی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر  
جملہ فقہائے اسلام کے اقوال کو فتاویٰ کی بنیاد بنایا جائے۔ اس سلسلہ میں ہم کہہ  
آئے ہیں کہ عدل و انصاف اور تغیر پذیر حالات کا تقاضا ہو تو فقہی احکام کو تبدیل  
بھی کیا جاسکتا ہے۔

عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب  
نفاذ عدل میں افتاء کا کردار ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں  
توازن و تناسب قائم ہو۔ دوسری یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے

دیا جائے۔ اسلام کا ادارہ افتاء معاشرہ میں عدل کی ان دونوں حقیقتوں اور دونوں پہلوؤں کی تکمیل میں بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔ نفاذِ عدل میں افتاء کا یہ کردار حسب ذیل رُخ رکھتا ہے۔

۱۔ معاشرہ کے تمام افراد اور طبقات کے حقوق و فرائض اسلام نے متعین کر دیئے ہیں۔ حقوق کے تحفظ اور فرائض کی حسن ادائیگی کا انحصار افراد کی اخلاقی تربیت، ان کو اللہ کی توحید پر مستحکم ایمان بخشنے، ایک رضا کارانہ جذبہ اطاعت اور ذمہ داری و جواب دہی کا گہرا احساس پر وان چڑھانے پر ہے اور اسلامی معاشرے میں یہ کام ادارہ افتاء انجام دیتا ہے جس کی دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ تعلیمی اور تبلیغی حیثیت میں لوگوں کے حقوق و فرائض کو اسلامی احکام کی روشنی میں بیان ہی نہیں کرتا بلکہ اسلامی اخلاقی قدروں کو اجاگر کرنے، باہمی حقوق کی پاسداری اور اپنے فرائض کی ادائیگی کا جذبہ احساس راسخ کرنے میں بھی بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ اسلامی قوانین پر عمل درآمد، امن و امان کے استقرار، عدل انصاف کے قیام، اور فتنہ و فساد اور برائیوں کے انسداد کے لیے حکومت کے پیچیدہ ادارتی نظام سے کہیں زیادہ عوام کی اخلاقی تربیت کے ذریعہ انفرادی رضا کارانہ جذبہ اطاعت اُبھارنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ معاشرہ میں امن کے استقرار اور عدل کے نفاذ کے لیے تنہا قانون کا جبر کچھ نہیں کر سکتا بلکہ رائے عامہ (

جو ایک قابل قدر اور ضروری قوت ہے، قانون کے جبر کے ساتھ مل کر ایک اچھے نظام عدل گستری کی بنیاد ڈالتی ہے و جبر یہ ہے کہ لوگوں کے باہمی

معاملات میں جب تک عدل کی رُوح کارفرما رہتی ہے اجتماعی ضمیر اس کی تائید کرتا رہتا ہے، جب یہ معاملات عدل سے ہٹ جائیں تو لوگوں میں اس کے خلاف احتجاج واضطراب پیدا ہو جاتا ہے، یوں نفاذِ عدل کے سلسلہ میں اجتماعی ضمیر ایک محتسب کا کردار ادا کرتا ہے اور ادارہ افتاء باہمی حقوق کی حفاظت، فرائض کی ادائیگی اور تنازعات کے عادلانہ حل تلاش کرنے کے لیے رائے عامہ کو ہموار اور اجتماعی ضمیر کو بیدار کر کے بالواسطہ طور پر عدل کے نفاذ میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔

۳۔ اسلام عدل و انصاف کے قیام میں محض جامد قانون پر انحصار نہیں کرتا بلکہ معاملات سے متعلق اکثر امور مفتی اور مجتہد کی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے۔ تاکہ وہ پیش آمدہ مسائل کی خصوصی نوعیت، اور حالات و زمانہ کی رعایت سے عدل و انصاف پر مبنی بہترین حل اسلامی اصولوں کی روشنی میں پیش کر سکے۔ اس طرح معاشرے میں نفاذِ عدل کے دیگر تمام اداروں کی رہنمائی بھی ادارہ افتاء ہی کا فریضہ ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ قضاء، شرطہ، حسب اور ولایت المظالم سبھی عدالتی اور نیم عدالتی ادارے دینی مسائل میں عدل پر مبنی درست حل کے سلسلہ میں افتاء کے محتاج اور ضرورت مند ہیں۔ اسی لیے امام اعظمؒ نے عین مجتہد کا بطور قاضی تقریر جائز ٹھہرایا ہے، کہ وہ مفتی سے فتوے لے کر اجتہادی مسائل کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

۴۔ تصور عدل کے دوسرے پہلو یعنی حقوق کے بے لاگ نفاذ کے سلسلہ میں گونڈا ہر افتاء کا کردار ثانوی محسوس ہوتا ہے مگر فی الحقیقت ادارہ افتاء اس ضمن میں بھی بنیادی احتسابی کردار ادا کر سکتا اور کرتا رہا ہے۔ چنانچہ

ایک طرف اگر ادارہ افتاء اپنی معنوی قوت نافذہ سے کام لے کر اپنے صادر کردہ فتاویٰ کے نفاذ اور ان پر عمل پیرائی کا اہتمام کرتا ہے تو دوسری طرف جملہ عدالتی اداروں کو نفاذ عدل میں جائزہ اور درست فیصلوں پر پہنچنے میں رہنمائی سے لے کر ظلم و نا انصافی پر سخت نکتہ چینی، تنبیہ اور اجتماعی احتجاج وغیرہ تک بھی افتاء کا کام ہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ اسلام ادارہ افتاء کی جرات مندی کی ذریں مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ یہاں ناموسی قریب میں عہد عثمانی کے دو تین واقعات کی طرف اشارہ کر دینا ہی کافی ہوگا۔ ایک مفتی صاحب نے جن کا نام جمالی تھا، سلطان کو دو بار سترائے موت کے غلط فیصلوں پر سخت ٹوکا اور عذاب آخرت سے ڈرا کر ان فیصلوں کے نفاذ سے روک دیا چنانچہ یوں قریباً ۶۰۰ افراد کی جان بچ گئی۔

سلطان سلیمان نے مفتی ابوسعید سے کہا کہ وہ مفتوح ممالک کے غیر مسلموں کے قتل کا فتویٰ صادر کریں تو مفتی نے صاف انکار کر دیا۔ شہر آریزہ میں فاتح مسلم فوج نے غیر مسلموں کی جائیداد لوٹنا شروع کر دی، مفتی شہر نے ایسا کرنے کو قہراً قرار دیا تو بقول اقبالؒ عالم یہ ہو گیا۔

پھوتی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج  
فتویٰ یہ سارے شہر میں مشہور ہو گیا

## شرطہ

مشاہدہ اور تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اپنی فطرت میں جنگجو fighting Animal

واقع ہوا ہے چنانچہ ابتدائے آفرینش ہی ظلم و تشدد اور جرائم کے ارتکاب کا سلسلہ شروع ہو گیا واقعہ ہابیل وقابیل سے انسان کی مجرمانہ ذہنیت اور جرم کی منزاسے پچ نکلنے کی سسی کا اظہار ہوتا ہے۔ سوسائٹی کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ظلم و تشدد کے مظاہر اور جرائم میں بھی اضافہ ہو گیا اور اس بات کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ظلم کی روک تھام اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے سوسائٹی میں سے ایک منتخب جماعت کو مامور کیا جائے چنانچہ ہر زمانے میں کسی نہ کسی صورت منظم یا غیر منظم پولیس کا وجود رہا جو انسان اور سوسائٹی کے ساتھ ارتقاء کی منازل طے کرتے کرتے آج موجودہ تنظیمی ہیئت میں سامنے آئی ہے۔

معاشرتی امن و سکون کا استقرار اسلام کے مقاصد جلیلہ میں سے ہے اس لئے معاشرتی امن و سلامتی کو برباد کرنا اور فتنہ، گناہ کبیرہ اور قتل انسانی سے بھی زیادہ گھناؤنا جرم ہے۔ قرآن کریم کی رو سے معاشرے میں امن و سلامتی برقرار رکھنا افراد اور حکومت کی مشترکہ ذمہ داری ہے اور اس اہم ذمہ داری سے عمدہ برآہونے کے لئے حکومت کے اہم ترین انتظامی ادارے ”شرطہ“ کا وجود ناگزیر ہے ابن سینا نے نظام معاشرہ کی جو تقسیم کی ہے اس سے معاشرہ میں پولیس کا مقام واضح ہو جاتا ہے۔ اس کے نزدیک معاشرہ میں تین طبقوں کا وجود ناگزیر ہے اللہ ایک المدبرون، یعنی حکومت اور کاروبار سیاست چلانے والے۔ دوسرے الصناع، یعنی صنعت و تجارت میں مصروف رہنے والے ”میر الحفظہ“، یعنی نظام زندگی کا وفاق کرنے والے۔ یہی طبقہ شرطہ یا پولیس کہلاتا ہے جسے ابن خلدون ایک دینی منصب اور ادارہ قرار دیتا ہے۔

ادارہ شرطہ کی تنظیم اور فرائض۔ اسلامی تاریخ میں | اسلامی ریاست کے ایک منظم اجتماعی ادارے

کی حیثیت سے شرطہ کا قیام شاہکار رسالت فاروق اعظمؓ کی جدت طرازیوں میں سے ہے۔ عبد رسالت میں پولیس کا باقاعدہ ادارہ موجود نہ تھا امن عامہ کا کام قبائلی قبادتیں خود انجام دیتی تھیں۔ دوسرے افراد کی سیرتیں جس نہج پر ڈھل چکی تھیں اس میں تخریب و تشدد اور بد امنی پھیلانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ خلیفہ اول صدیق اکبرؓ معاشرتی نظام کی ہر چیز کو اسی حالت میں رکھنے کے خواہاں تھے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑی تھی اس لئے انہوں نے نئے انتظامی ادارے تشکیل دینے کی ضرورت محسوس کی۔ عبد فاروقی میں کثرت فتوحات اور وسعت تمدن کے باعث امن و امان کے استقرار کا مسئلہ اہمیت اختیار کر گیا جس کے لئے آپ نے ادارہ شرطہ کی تشکیل کی حضرت عثمانؓ نے اس کا منصب جاری کیا۔

اموی خلفاء ابتداء ہی سے دار الخلافہ میں اپنی حفاظت اور امن و امان کے قیام کے لئے پولیس کا دستہ رکھتے تھے اسی طرح صوبوں اور مرکزی شہروں میں بھی شرطہ کی جماعتیں رکھی جاتی تھیں البتہ کم درجے کے شہروں میں شرطہ کی جگہ معونہ کی جماعت ہوتی تھی جو پولیس ہی کے فرائض انجام دیتی تھی۔ ان جماعتوں کے سربراہوں یعنی صاحب الشرطہ اور صاحب المعونہ کے ذمہ یہ کام ہوتا تھا کہ وہ اپنے ماتحتوں کی نگرانی اور انتظام کرے اور جرائم کی روک تھام کے لئے راتوں کو گشت لگائے۔ جرائم کی تحقیقات کرنا اور مجرم کو سزا دینا بھی عموماً صاحب الشرطہ کے فرائض میں داخل ہوتا تھا اس کا فیصلہ شرعی قوانین کے بجائے عرف و عادت اور

سیاسی تقاضوں کے مطابق ہوتا تھا کیونکہ اس طرح وہ عوام کی مصلحتوں کی رعایت اور امن و امان کے استقرار میں جرائم پیشہ اور شر پسند عناصر کے خلاف زیادہ سختی کے ساتھ اور وسیع پیمانے پر کارروائی کر سکتا تھا اور آسانی سے ظلم و تشدد کے رجحانات، اور ان کے اسباب و موجبات کا قلع قمع کر سکتا تھا۔

خلافت عباسیہ، انڈس کی حکومت امویہ اور مصر و مغرب کی فاطمی حکومت میں صاحب الشرطہ کے اختیارات قاضی کے اختیارات سے تدریجاً وسیع ہوتے گئے۔ وہ محض شبہ کی بناء پر یا یا سخت افسروں کی اطلاع پر مظلوم کی فریاد کا انتظار کئے بغیر از خود تحقیقاتی کارروائی شروع کر سکتا تھا، جرائم پیشہ لوگوں کو غنڈہ گردی سے روکنے کے لئے سزائیں بھی دے سکتا تھا۔ اسے مستیہ افراد کو قید کرنے اور اعتراف جرم کرانے کے لئے ان پر سختی کرنے کا بھی اختیار تھا لیکن رعایا کے تمام طبقات اس کے تابع فرمان نہ تھے بلکہ اس کا حکم صرف ادنیٰ درجہ کے لوگوں اور بالخصوص مشکوک اور بُری شہرت رکھنے والے افراد ہی پر چلتا تھا۔

عبد عباسی میں صاحب الشرطہ ہی صیغہٴ اعتبار کی نگرانی بھی کرتا تھا نیز وہ فوجداری مقدمات کا فیصلہ اور فیصلہ شدہ تعزیرات، کاجرموں پر نفاذ بھی کرتا تھا۔ انڈس میں شرطہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ الشرطہ الکبریٰ اور الشرطہ الصغریٰ۔ الشرطہ الکبریٰ کے دائرہ اختیار میں تمام سرکاری افسر، ان کے اقارب اور اعلیٰ طبقہ کے افراد کی بدعنوانیوں اور مظالم کے خلاف کارروائی شامل تھی جبکہ الشرطہ الصغریٰ کا تعلق عام لوگوں اور بالخصوص ادنیٰ طبقہ کے افراد سے تھا۔

نفاذ عدل میں شرطہ کا کردار: شیر شاہ سوری کا قول ہے کہ ”ہر ایک انتظامیہ کا استحکام انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ چنانچہ ادارہ شرطہ کا مقصد نظم معاشرہ میں توازن“

اعتدال کی برقراری، افراد کی استواری کردار اور اسلامی اقدار کا تحفظ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قضا کے ذریعہ مقدمات اور تنازعات کی تہ تک رسائی، معاملات کی کھوج اور چھان بین اور عدل و انصاف کے تقاضوں کی تکمیل کرتے ہوئے صحیح اور درست فیصلوں پر پہنچ کر انہیں نافذ کرنے میں بھی شرط بنیادی کو ادا کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں پولیس کے فرائض کو مندرجہ ذیل چار حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱- انسداد جرائم: یعنی قبل از وقوع جرائم کی روک تھام۔ انسداد جرائم کیلئے بہترین ذریعہ پولیس کا گشت اور مشتبہ افراد کی مسلسل نگرانی ہے۔

۲- انکشاف جرائم: یعنی وقوع یافتہ جرم کا کھوج اور سراغ لگایا جائے اور جرم سے مجرم تک پہنچا جائے۔

۳- تفتیش جرائم: اس کا مقصد یہ ہے کہ جرم اور مجرم کے باہمی تعلق کی نسبت شہادت فراہم کی جائے۔

۴- پیروی مقدمات: مجرم کو قرار واقعی سزا دلانے سے ہی انسدادی مقصد حاصل ہو سکتا ہے یعنی مظلوم کی داد رسی، دوسروں کے لئے درس عبرت، سوسائٹی کی تسکین اور قانون کی متابعت وغیرہ

اس و صلاحیت کی رو سے اسلامی معاشرے میں نفاذ عدل کے سلسلہ میں پولیس کا کردار مندرجہ ذیل رُخ رکھتا ہے یعنی

۱- ایدی معاشرتی اقدار کے تحفظ، احکام شریعت کے بیباکانہ نفاذ اور حدود اللہ کے قیام میں انتظامیہ کے تمام شعبوں سے بڑھ کر سرگرمی دکھانا۔

۲- معاشرتی تنازعات اور مقدمات میں عدل و انصاف کے تقاضوں کی تکمیل کرنے اور حق و راستی پر مبنی عدالتی فیصلوں کے نفاذ میں عدلیہ کے تمام

اداروں کی بھرپور مدد کرنا۔

- ۳۔ معاشرہ میں فساد اور شر پسند عناصر کا قلع قمع کرنے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ اخلاق اجتماعی اور ریاستی فرائض کی حسن ادائیگی پر عوام کو آمادہ کرنے میں ادارہ حسب کے پہلو بہ پہلو اپنے فرائض ادا کرنا۔
- ۴۔ معاشرہ کے تمام طبقات سے جملہ ریاستی قوانین کی پابندی کروانا اور ظلم و تشدد کے رجحانات کی حوصلہ شکنی کرنا۔

- ۵۔ عدل و انصاف کے منافی سرگرمیوں میں مداخلت اور جرائم پیشہ افراد کے خلاف ان کے حسب حال تنبیہ سے لیکر سزا تک کی فوری قانونی کارروائی کرنا۔
- ۶۔ عادی مجرموں اور سزا یافتہ لوگوں کی اصلاح اور انہیں پھر سے معاشرہ کے سود مند رکن بنانے میں متعلقہ اداروں کی ہر ممکن مدد کرنا۔

یہ تمام امور پولیس کے مقاصد و فرائض میں شامل ہیں اور سب کے سب معاشرے میں نفاذ عدل کے محور پر گھومتے ہیں۔

آج کا محکمہ پولیس | آج کا محکمہ پولیس تنظیمی ہیئت و صلاحیت، فنی تربیت  
تجربہ اور مہارت میں خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ

ہو، لیکن اپنے منصبی فرائض سے تغافل شعاری، اخلاقی زبوں حالی، اور دینی بے بائگی کی منہ بولتی تصویر بن چکا ہے۔ دیانتداری، سچی گوئی اور فرض شناسی میں محکمہ پولیس کی اس تشویشناک حالت کے نمایاں اسباب و مظاہر حسب ذیل ہیں:

۱۔ اصطلاحی اور معنوی اعتبار سے پولیس کے ہر رکن سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اسے بنیادی انسانی اوصاف شائستگی، فرمانبرداری، وفاداری،

ذہانت، فرض شناسی اور اہلیت کا پیکر اور مرتع ہونا چاہئے مگر اپنی پولیس کی کارکردگی اور رو تیر دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ ان بنیادی اوصاف کے یکسر برعکس اعمال کو مطمح نظر بنا لیا گیا ہے۔

۲۔ معاشرے میں نفاذ عدل اور قیام امن کے لئے اپنا کردار ادا کرنے میں پولیس کی ناکامی اور اخلاقی زبوں حالی کا سب سے بڑا سبب رشوت اور حواخوری ہے جو اس وقت انتظامیہ کے ہر شعبے میں ایک ہزار پاکی طرح سرایت کئے ہوئے ہے۔ رشوت خوری نہ صرف پولیس کے شخصی اور ذاتی کردار پر منفی اثرات چھوڑتی ہے بلکہ لوگوں کے باہمی تنازعات کی طوالت، تندی اور شدت کا بھی بہت بڑا سبب بنتی ہے اور نتیجہً ظلم و تشدد اور غنڈہ گردی کے رجحانات میں اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے یہ حقیقت واضح طور پر بیان کی ہے کہ جھوٹ اور رشوت کے ساتھ دنیا میں حق و عدل کا کبھی بول بالا نہیں ہوا۔ پولیس افسران کی رشوت خوری کا سب سے بڑا سبب ان کے اقتیارات، عمردریات اور تنخواہ و مراعات میں عدم توازن ہے۔

۳۔ ریاست معاشرہ میں عدل، نفاذ امن و امان کے قیام اور جرائم کے خاتمے کیلئے طریقہ کار اور قوانین وضع کرتی ہے اور پولیس کا کام ان قوانین کو نافذ کرنا ہے مگر آج کی پولیس خود ہی ان قوانین پر عمل پیرا نہیں ہوتی تو معاشرہ میں کیونکر امن قائم کر سکتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ پولیس کی ناقص تربیت ہے۔ دراصل معاشرہ پولیس کی تربیت صحیح خطوط پر نہیں کرتا، انہیں ان کے فرائض منصبی سے صحیح طور پر آگاہ نہیں کرتا خوف خدا، روز جزا کی پریشانی کا تحمیل اور تعویض کے تصور

و عقائد سے پولیس کی تعلیم و تربیت کا کورس بہت حد تک خالی ہے۔  
 ۴۔ پھر یہ بھی کہ پولیس کے افسروں اور عام اہلکاروں کو نہ تو جرائم کی جدید  
 سائنسی بنیادوں پر تفتیش کرنے کی کوئی خاص تربیت دی جاتی ہے  
 اور نہ ہی انہیں ضروری وسائل مہیا کیے جاتے ہیں اور یہی بات سلسلہ  
 در سلسلہ خرابیوں کا باعث بن جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پولیس کی  
 داخلی ہیئت میں تنظیم، منصوبہ بندی، بہتر قیادت اور مسلسل نگرانی کا  
 فقدان مسئلہ کو اور بھی گھمبیر بنا دیتا ہے۔

۵۔ مزید ستم یہ کہ مقدمات کے ابتدائی فیصلے پولیس کی زیر اثر عدالتوں میں  
 ہوتے ہیں۔ مجسٹریٹ شہادتوں اور حقائق کی بجائے ملزم کے بارے میں  
 پولیس کی رپورٹ پر زیادہ انحصار کرتے ہیں اور پولیس جرائم کے اسناد  
 اور تفتیش کے سلسلہ میں اپنی کارکردگی کے نقائص پر پردہ ڈالنے کے لیے  
 بے گناہ شہریوں پر خواہ مخواہ جبر و تشدد کے حربے آزماتی ہے اور اس  
 طرح ایک عام شہری بھی پولیس کے چنگل میں پھنس کر عادی مجرم بن جاتا  
 ہے یہ صورت حال معاشرہ کی زوال پذیری کی آئینہ دار ہے۔ ابن خلدون  
 نے معاشرتی زوال کے تین اسباب گنوائے ہیں جن میں ایک سبب -  
 "تشدد الجنود المرتزقة" یعنی تنخواہ دار سپاہیوں کا نظم و تشدد کی  
 راہ پر پڑ جانا ہے۔

معاشرہ میں عدل و انصاف کے فروغ،  
**اصلاح حال کی تدابیر** بدی و فساد کے عناصر کا قلع قمع کرنے  
 اور نظم و نسق استوار رکھنے کے لیے ادارہ شرط کو جو بنیادی اہمیت حاصل ہے

اور سوسائٹی کے تمام طبقات پر پولیس کے کردار اور کاروائیوں کے جو گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ اس ادارہ کو اسلام کے عطا کردہ انتظامی سانچے میں ڈھالا جائے اور تمام خرابیوں کا ازالہ کر کے ایک صالح محکمہ بنا دیا جائے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل تجاویز کو عملی جامہ پہنانا ضروری ہے۔

۱۔ سب سے پہلا مسئلہ افراد کے انتخاب کا ہے اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد مشعل راہ ہے۔

”عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے ایسے لوگ منتخب کیے جائیں جو ہتک نظر و تنگ دل ہوں اور نہ حریص خوشامد پسند۔ عمال حکومت کا تقرر بھی پوری جانچ پڑتال کے بعد کیا جائے“

چنانچہ ضروری ہے کہ ادارہ شرطہ میں ان لوگوں کو رکھا جائے جو خوف خدا اور تقویٰ سے متصف، بلند کردار، خوش گفتار، با اصول ہوں اور حق و صداقت کے معاملے میں بے لاگ اور اٹل فیصلے کرنے کی قوت سے بہرہ ور اور ان کے نفاذ کی پوری قوت و طاقت رکھتے ہوں۔ معاملہ فہمی، سرانفرسانی اور ذہانت میں منفرد ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ افسران کے لیے تعلیم یافتہ ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ آئندہ اسے۔ ایس۔ آئی کے لیے تعلیمی معیار کم از کم گریجویٹ اور سپاہی کے لیے انٹر میڈیٹ کر دیا جائے۔

۲۔ انتخاب کے بعد اگلا مرحلہ تعلیم و تربیت کا آتا ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل امور پیش نظر رہیں۔

۱۔ پولیس کا نصاب تعلیم اسلامی تہذیبی ورثہ کی بنیاد پر از سر نو مرتب کیا جائے جس میں انسداد و تفتیش جرائم کے اسالیب و طرق سے لے کر نفاذ تک

کے تمام ضوابط و قوانین کو اسلامی رنگ میں رنگا جائے کیونکہ اسلام میں عدل و انصاف قائم کرنے اور مجرموں کو سزا دینے کے لیے بڑا محتاط طریق کار اختیار کیا گیا ہے جس سے انصاف برت کر عدل و انصاف کے تقاضوں کی کبھی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

۱۔ فوجی افسران کی تعلیم و تربیت کیلئے ایک پولیس اکیڈمی قائم کی جائے اور ان کے تربیتی کورس میں دینی اقدار خصوصاً اسلامی اخلاقیات کو لازمی نصاب کے طور پر شامل کیا جائے تاکہ ان میں اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کا مہلکہ پیدا ہو اور ساتھ ہی ان کی کردار سازی کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔

۳۔ تربیت کے بعد اگلا مرحلہ ہے ”تنظیم“ کا اس ضمن میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ کسی ادارہ کی تنظیم کا بنیادی اصول یہ ہوا کرتا ہے کہ ہر خدمت ایسے شخص کے سپرد کی جائے جو اس کا اہل ہو اور محکمہ میں اوپر سے نیچے تک ہر شخص اپنی حیثیت اور فرض سے واقف ہوتا کہ ہر فرد کی اہمیت و استعداد سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے کیونکہ یہ تخصیص

( specialization ) کا دور ہے۔ شرطہ کی تنظیم میں

اس اصول پر عمل کی اہمیت یوں بھی بڑھ جاتی ہے کہ آج ایک طرف تمدنی ترقی اور علم الجرائم کی وسعت نے ارتکاب جرم کے ہزاروں نئے طریقے ایجاد کر دیئے ہیں جن سب کا تدارک اور توڑ ضروری ہے تو دوسری طرف پولیس کے فرائض کا دائرہ بے پناہ وسیع ہو گیا

ہے جس سے اس ادارہ کے ہر رکن کی مصروفیات بہت بڑھ گئی ہیں۔ پھر امن وامان کے مختلف مسائل کا حل مختلف فنی اور تکنیکی مہارتیں چاہتا ہے۔ ایسے میں یہ ضروری ہے کہ اپنے اجتماعی اور سیاسی تقاضوں کی روشنی میں اور سیاست کی مجموعی انتظامی ہیئت سے مطابقت اور فرائض و اختیارات میں توازن کے اصولوں پر ادارہ شرط کی اندر تنظیم کی جائے جو تہذیبی ارتقاء کے ساتھ ساتھ خوب سے خوب تر ہوتی چلی جائے گی۔

ii - پولیس کو روزمرہ میں تقسیم کر دیا جائے۔

۱ - رپورٹنگ اسٹیشن علیحدہ ہوں اور

ب - تفتیش کی ایجنسی علیحدہ ہو۔

۴ - پولیس کی اصلاح کے مروجہ قوانین اور طریقہ کار میں بھی دور رس تبدیلیوں کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں حسب ذیل ترامیم تجویز کی جاتی ہیں۔

i - قانون کے دوہرے معیارات ختم کیے جائیں۔ شخصی اور طبقاتی تحفظ کے لیے بنائے گئے تمام قوانین ختم کر دیئے جائیں۔

ii - قوانین کی وضاحتیں عام آدمی کے علم میں لائی جائیں تاکہ پولیس من گھڑت ضوابط کے مطابق بغیر قانونی کارروائی نہ کر سکے۔

iii - پولیس قوانین اور طریقہ کار کی نئی تدوین کی جائے جس میں اسلامی تصور عدل پر مبنی دفعات شامل کی جائیں۔

iv - جرأت اور بے لوثی کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرنے والے پولیس اہلکاروں کے تحفظ کے لیے پولیس آفیسر پروٹیکشن ایکٹ بنایا جائے

اور خلاف قانون حرکات کے مرتکب اور اختیارات سے تجاوز کرنے والے اہلکاروں کو سخت سزائیں دی جائیں۔

۵۔ رشوت اور حرام خوری کے انسداد کے لیے جہاں پولیس کی اخلاقی تربیت اور تعمیر سیرت ضروری ہے وہیں یہ بھی لازمی ہے کہ ان کی تنخواہوں اور مراعات میں خاطر خواہ اضافہ کیا جائے تاکہ وہ گرانی کے اس عالم میں اپنی ضرورت جائز کمائی سے پوری کر سکیں۔

یہ توہیں ادارہ شرط کی اصلاح کے لیے چند تجاویز۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور شارع اسلام علیہ السلام کی منشاء کے مطابق نہ صرف پولیس بلکہ پوری انتظامیہ کی اصلاح موجودہ عمارت کارنگ و روغن بدلنے سے نہ ہوگی بلکہ اسلامی بنیادوں پر نئی عمارت تعمیر کرنا پڑے گی۔

## حسبہ

حسبہ کے قریباً تمام پہلوؤں پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور مسلسل لکھا جا رہا ہے، اس لیے ان سب باتوں کو دہرانا لا حاصل ہے، میں یہاں صرف اپنے موضوع سے متعلق چند بنیادی نکات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

**حسبہ۔ مفہوم و اہمیت** | امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔ دوسرا مفہوم اس شخص کے فرائض سے متعلق ہے جو کسی شہر میں عوام کے اخلاق کی نگرانی کے لیے سرکاری طور پر مقرر کیا جاتا ہے۔ ہمارے پیش نظر یہی دوسرا مفہوم ہے۔ اس مفہوم میں حسبہ کی اصطلاحی تعریفیں بہت سے فقہاء اور ماہرین

نے مختلف انداز سے کی ہیں۔ لیکن ان سب میں بنیادی ارتکاز "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے تصور پر رہا ہے۔ یہاں حسبہ کی ایسی دو تعریفیں پیش کی جاتی ہیں جن سے نفاذ عدل میں اس ادارہ کے کردار کی وضاحت ہوتی ہے۔ معروف فقیہ ابن الاخوة نے حسبہ کی تعریف یہ کی ہے "هو امر بالمعروف اذا ظهر تركه ونهى عن المنكر اذا ظهر فعله واصلاح بين الناس لله" اس تعریف کے آخری الفاظ بالخصوص ادارہ حسبہ کی عدالتی حیثیت کو متعین کر دیتے ہیں۔ ایک جدید مصنف استاذ محمد المبارک نے حسبہ کی یہ جامع تعریف پیش کی ہے۔ "هي رقابة ادارية تقوم به الدولة عن طريق موظفين خاصين على نشاط الافراد في مجال الاخلاق والدين والاقضية أى في المجال الاجتماعي بوجه عام، تحقيقاً للعدل والفضيلة وفقاً للمبادئ المقررة في الشرع الاسلامي وللأعراف المألوفة في كل بيئة وزمن۔ یعنی حسبہ ایک ایسا نگران ادارہ ہے جسے حکومت خاص کارندوں کے ذریعہ چلاتی ہے اس کا مقصد اخلاق، مذہب اور معاشیات کے دائرہ میں افراد کی سرگرمیوں کی نگرانی ہے تاکہ انصاف اور اعلیٰ اقدار کو عملاً بروئے کار لایا جاسکے اور اس اہم کام کو احکام شریعت اور مختلف زمانوں اور علاقوں کے پسندیدہ رواجوں کی روشنی میں ستر انجام دیا جاسکے۔

اسلام میں حسبہ کو اساسی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس کا مرکزی نقطہ یعنی "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" دین کی حقیقی روح اور اصل الاصول ہے۔ مشہور فقیہ ابن الاخوة کتاب ہے۔ "الحسبة من قواعد الامور الدينية، وقد كان أئمة الصداق اول يباشرونها بانفسهم لعموم صلاحها وجزيل ثوابها"۔

ابن خلدون مقدمہ میں حسبہ کی اہمیت یوں بیان کرتا ہے۔ اما الحسبة  
فهي وظيفة دينية من باب الأمر بالمعروف والنهي عن  
المستكر الذي هو فرض على القائم بامور المسلمين أن  
يعين لذلك من يراه أهلاً له۔

ادارہ حسبہ کی اہمیت اسلامی ریاست کے آغاز ہی میں محسوس کر لی  
گئی تھی جب تک ریاست مدینہ کی حد تک محدود رہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
بنفس نفیس اس اہم کام کو انجام دیا کرتے تھے آپ وقتاً فوقتاً بازار کا چکر لگایا کرتے  
اور کوئی غلط کام دیکھتے تو فوراً اصلاح فرمادیتے تھے۔ جب اسلامی ریاست مدینہ  
سے باہر بھی پھیل گئی تو مدینہ منورہ میں حضرت فاروق اعظمؓ اور مکہ مکرمہ میں سعید  
بن العاصؓ کو محتسب مقرر کیا گیا۔ عہد صدیقیؓ میں بھی حسبہ کا ادارہ نبوی منہاج پر کام  
کرتا رہا۔ فاروق اعظمؓ نے اس ادارہ کو بہت ترقی دی اور جابجا مستقل محتسبین مقرر  
فرمائے عہد فاروقیؓ میں حسبہ کی سرگرمیاں کا جائزہ ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے  
بہر حال خلافت راشدہ کے بعد بھی ہر دور میں حسبہ کا منظم ادارہ کام کرتا رہا ہے اور  
ہر دور میں اس کا بنیادی مقصد لوگوں کی اخلاقی اصلاح اور معاشرہ میں عدل و انصاف  
کے نفاذ میں دیگر عدالتی اداروں کی مدد رہا ہے۔

**حسبہ۔ فرائض و اختیارات** | ادارہ حسبہ کے فرائض کی چار قسمیں ہیں۔

### ۱۔ دینی و اخلاقی فرائض:

۱۔ اسلامی معاشرہ میں باطل عقائد کی کھلم کھلا تبلیغ، کتاب و سنت کی  
نصوص میں تحریف لفظی و معنوی، اسلامی مقدسات و شعائر کی توہین

اور اللہ تعالیٰ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ، اہلبیت اطہارؓ کی شان میں توہین و تفتیش کو روکنا۔

ii - عبادات اور مذہبی فرائض کی ادائیگی کی دیکھ بھال کرنا، اس سلسلہ میں نماز باجماعت، جمعہ اور نماز عید کا اہتمام، مساجد و اوقاف کی خیر گیری اور ائمہ و مؤذنین کا تقرر وغیرہ۔

iii - عبادات سے متعلق شرعی ضوابط و آداب اور رمضان کے احترام کی پامالی پر احتساب۔

iv - نااہل افراد سے دینی مناصب مثلاً درس و تدریس اور افتاء وغیرہ کو بچانا۔

v - منشیات کے استعمال، لہو و لعب میں مشغولیت اور حرام پیشوں (کمانت وغیرہ) کے اختیار کرنے پر احتساب۔

vi - اسلامی آداب و اخلاق کی نگرانی مثلاً مردوں و عورتوں کا آزادانہ، اختلاط،

۲۔ معاشرتی و تمدنی فرائض | محتسب کا بنیادی فریضہ معاشرتی زندگی کی اصلاح ہے اس سلسلہ میں اس کے

دائرہ اختیار میں حسب ذیل امور آتے ہیں۔

i - مکانات اور دوکانوں کی تعمیر اور مرمت اس ڈھنگ سے ہو کہ وہ عوام کی سلامتی کے لیے خطرہ اور پیادہ چلنے والوں اور گاڑیوں کے لیے رکاوٹ نہ بن جائیں۔

ii - گلیوں کی صفائی، شہر نیاہ کی باقاعدہ تقسیم اور سردر سانی بھی محتسب

کے فرائض میں شامل ہے۔

iii- عوام کے لیے ضرور و مشقت کا باعث بننے والا ہر اقدام محنت سے کے دائرہ اختیار میں آتا ہے۔

iv- اجتماعی مفاد کی کوئی چیز منہدم ہو جائے تو اس کی مرمت کے لیے علاقے کے لوگوں کو آمادہ کرنا۔

v- چیز شادی شدہ لڑکیاں اگر یہ شکایت کریں کہ ان کے ولی کسی وجہ سے ان کی شادی نہیں کر رہے تو محاسب مداخلت کر سکتا ہے۔

vi- کوئی آفاقی ملازم یا مزدور پر بھجی کر رہا ہو تو محاسب مداخلت کر سکتا ہے۔

vii- بار برداری کے جانوروں پر طاقت سے بڑھ کر بوجھ لادنا ضرورت سے کم چارہ دینا یا ان پر تشدد کرنا اور کرایہ کی سوار یوں میں زیادہ مسافر بٹھانا۔

viii- جاہل آدمی کا طبابت یا اسی طرح کا اور کوئی اہم اجتماعی پیشہ اختیار کر لینا۔

ix- پیشوں کے سلسلہ میں جگہ کی ہوزوینت، افراد کی اہلیت، آلات و ادوات کی صحت و درستگی اور ملاوٹ و فریب وغیرہ کی پڑتال کرنا۔

۳- اقتصادی فرائض | محاسب کے اقتصادی فرائض کا محور ہے عوام کے اقتصادی استحصال کا خاتمہ اور معاشی عدل کا قیام

اس سلسلہ میں اس کے حیظ اختیار میں حسب ذیل امور آتے ہیں۔

i- حسبہ کا بنیادی اور مستقل فرض بازار اور منڈیوں کی جانچ پڑتال

کرنا ہے۔ اس میں اوزان اور پیمانوں کی دیکھ بھال، اشیائے صرف

کی تیاری اور فروخت کے دوران ظہور پذیر ہونے والی ہر ممکنہ کوتاہی، بددیانتی اور بدعنوانی پر کڑی نظر رکھنا۔

ii - سکوں کی پرکھ بھی محاسب کے فرائض میں داخل ہے۔

iii - قیمتوں پر کنٹرول اور منظور شدہ نرخوں سے زیادہ دام لینے والے تاجروں کا احتساب۔

iv - قحط کے زمانے میں ذخیرہ اندوزوں کا شدید احتساب۔

v - ناپ تول میں کمی، ملاوٹ اور دھوکہ دہی کے معاملات اور

حرام سودی کاروبار کا استیصال، رشوت اور باطل امور کی بیخ کنی نادہندوں سے قرض خواہوں کو پیسہ دلوانا۔

۴۔ قانونی فرائض | ادارہ حسبہ پر تمام فقہاء اور ماہرین نے ایک عدالتی یا نیم عدالتی ادارہ ہی کی حیثیت سے بحث کی ہے۔ امام

ماوردی کہتے ہیں کہ حسبہ کا ادارہ اپنے فرائض اور اختیارات کی حیثیت سے

قضا اور ولایتہ النظام کے درمیان ایک بین بین حیثیت رکھتا ہے۔ حسبہ

کی عدالتی حیثیت مندرجہ ذیل قانونی فرائض و اختیارات پر مشتمل ہے۔

i - ذمتیوں کے قانون کا نفاذ۔

ii - معاشی اور کاروباری زندگی میں دھوکہ و فریب اور بدعنوانیوں سے متعلق مقدمات کا فیصلہ۔

iii - اپنے دائرہ اختیار میں آنے والے معاملات سے متعلق پیش آمدہ

نئی اور سچیدہ صورتوں کے حل کے لیے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے

قانون کی جدید تعبیر یا نئے فروعی احکام کا انتہاء ط۔

۱۷- غلط فیصلے کرنے والے قاضیوں اور حاکموں پر نکتہ چینی (بعض جرائد میں)  
مختصین نے ایسا کیا۔

نفاذ عدل میں حسبہ کا کردار | اس میں شک نہیں کہ حسبہ کا بنیادی مقصد  
افراد کی شخصی اور معاشرہ کے اجتماعی معاملات

میں عدل اسلامی کا قیام ہے اور اس کے تمام فرائض و اختیارات اسی محور کے گرد  
گھومتے ہیں۔ ذیل میں اس حقیقت کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

۱- حسبہ کا عطر و جوہر ”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر“ ہے اور اس کا بنیادی  
مقصد افراد کی تعمیر سیرت اور تہذیب نفس کے ذریعہ انہیں اپنی بنی زندگی  
سے لے کر اجتماعی معاملات تک میں عدل و انصاف کے تقاضوں کی تکمیل  
کے لیے تیار کرنا ہے۔ کیونکہ اسلام انفرادی و اجتماعی زندگی کی ہر سطح پر فراطو  
تفریط سے پاک متوازن اور معتدل روش کا تقاضا کرتا ہے اور حسبہ کے مذہبی  
اخلاقی اور بہت سے تمدنی و اقتصادی فرائض کا مقصد لوگوں کو یہی معتدل  
روش اپنانے پر آمادہ کرنا ہے۔

۲- ادارہ حسبہ کے بہت سے تمدنی اور اجتماعی فرائض کا محور یہی ہے کہ اجتماعی  
منفادات و مصلح کے خلاف یا حوام کو ضرر پہنچانے والا کوئی اقدام نہ ہونے  
دیا جائے اور یہی ”عدل اجتماعی“ کا تقاضا ہے۔

۳- ادارہ حسبہ کے جملہ اقتصادی اور معاشی فرائض کا تو اساسی نقطہ ہی یہ ہے کہ  
نظم و زیادتی اور استحصال کا خاتمہ ہو اور عدل و انصاف کو فروغ ملے، چنانچہ  
بازاروں اور منڈیوں کی جانچ پڑتال، قیمتوں پر کنٹرول، فریب و بددیانتی  
اور ذخیرہ اندوزی کا احتساب، سودی کاروبار رشوت اور دیگر ناحق

مال لوٹنے کے ہر طرح کے ذرائع پر پابندی اور سچی داروں کے حقوق کی بازیافت  
وغیرہ جملہ اقتصادی فرائض کا جوہر اسی عدل معاشی کا نفاذ ہے۔

۴۔ حسبہ کے جملہ قانونی اور عدالتی اختیارات و فرائض مثلاً مختلف طبقات  
کے حقوق کا تحفظ اور نفاذ عدل کے اداروں (شرط، قضاء، افتاء وغیرہ)  
کی نگہداشت وغیرہ بھی تو اسی تصور کے حامل ہیں کہ معاشرہ میں ہر سطح پر  
اور ہر ممکن ذریعہ سے عدل و انصاف کو فروغ و استحکام دیا جائے اور  
ظلم و استحصال کے تمام رجحانات اور محرکات کو مٹا کر رکھ دیا جائے۔

یوں حسبہ اول و آخر اسلامی معاشرہ میں نفاذ عدل کا ایک اہم ترین ادارہ  
ہے جس کے بغیر بلاشبہ معاشرے میں ہر سطح پر عدل و انصاف کا قیام ممکن نہیں۔  
اس لیے ضروری ہے کہ آج ہم اپنے ادارہ احتساب کو اسلامی ادارہ حسبہ کی روایات  
سے ہم آہنگ کریں تاکہ معاشرہ میں قیام عدل کی راہ ہموار کر سکیں۔

## دیوان المظالم

جدید قانون میں انصاف کی دو قسمیں ہیں؛ قدرتی انصاف اور موضوعہ انصاف  
موضوعہ انصاف وہ ہے جس کا ماخذ انسانی ذہن کا زائیدہ قانون ہر جبکہ قدرتی  
سے مراد حقیقی اور مثالی انصاف ہے جس سے بہتر تصور میں نہ آسکے مغرب میں  
انسان کا بنایا ہوا قانون حقیقی انصاف کے قیام میں بالکل ناکام ہو گیا تو اس  
قانون کی خامیوں اور نا انصافیوں کے ازالے کے لئے انصاف کے اٹل اور

قدرتی اصولوں پر مبنی نظام عدالت جسے نصفت (EQUITY) کا نام دیا گیا نافذ کیا گیا جس پر چانسلری کی عدالتیں Courts of Chancellors عمل کرتی ہیں نصفت کا تصور یونانیوں اور قدیم رومیوں کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔ ارسطو نصفت کی تعریف میں کہتا ہے کہ "اس کے ذریعہ ملکی قانون میں جہاں کہیں اس کی عمومیت کی وجہ سے نقص ہو، اصلاح کی جاتی ہے۔ ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ ثالث نصوت کے مطابق اور حج پابندی قانون فیصلہ کرتا ہے۔ ابتداً نصفت کوئی قانون تھا بلکہ قدرتی انصاف کے غیر مدون احکام و اصول تھے لیکن رفتہ رفتہ ان اصولوں کا ایک مجموعہ تیار ہو گیا جو قانون موضوعہ ہی کی طرح عزیز تبدیل قرار پایا۔ یوں مغرب اور بالخصوص انگلستان میں ۱۶۲۰ء تک دو متضاد قانونی اور عدالتی نظامات پر عمل ہوتا رہا۔ اسلام میں چونکہ قانون خالق کائنات کا بنایا ہوا ہے اس لیے اس میں انسانی قانون کے نقائص کا شائبہ تک بھی ممکن نہیں اور اس الوہی قانون کا ہر ہر جزو عدالت انصاف کی تکمیل کرتا ہے اس لیے اسلامی تاریخ میں ہمیں مغربی طرز کا دوہرا نظام عدالت تو نظر نہیں آتا البتہ ادارہ قضا کے پہلو پہلو ایک اور عدالتی نظام "دیوان المظالم" کے نام سے کام کرتا رہا ہے جسے عدالت اپیل اور کسی حد تک انتظامی عدالت ٹھہرا سکتے ہیں لیکن فرانس کی انتظامی عدالتوں کے مقابلے میں ولایت المظالم کا دائرہ عمل وسیع، اختیارات زیادہ اور فرائض بھی کثیر تھے۔ پھر اس کی حیثیت اور قوت بھی زیادہ تھی ذیل میں ہم ولایت المظالم پر ایک عدل نافذ کرنے والے ادارے کی حیثیت کے اجمالی روشنی ڈالتے ہیں۔

ولایت المظالم کا تصور یا وردی  
 ولایت المظالم — تصور اور اختیارات  
 کی اس تعریف سے واضح ہوتا

ہے کہ هو قود المظالمین الى التناصف بالرهبة و زجر المتنازعین عن التناحد  
 بالهبة ۲۶

یعنی ولایت مظالم سے مراد یہ ہے کہ آپس میں تعدی اور ظلم کرنے والے برود فریق کو جبراً عدالت میں پیش کر کے انصاف کرایا جائے اور اگر انکار کریں تو ڈرا دھمکا کر کام کیا جائے۔ یوں اس منصب کے قیام کی اساسی غرض جبر و استبداد کا استیصال تھا اس کا ارتکاب خواہ ارباب اقتدار اور عمال حکومت کریں خواہ قاضی اور اس کے ماتحت ادارے، اور چاہے عام افرادِ رعایا، ولایتہ المظالم کا دائرہ اختیار سبھی کو محیط تھا۔ ادارہ مظالم کی خصوصیات اور امتیازات کی وضاحت کے لیے قضاء اور حبسہ کے دونوں اداروں سے اس کا مختصر موازنہ پیش کیا جاتا ہے۔

ولایتہ المظالم اور ادارہ قضاء | ادارہ قضاء اور ولایتہ المظالم میں دس امور مابہ الامتیاز ہیں جو امام قرانی نے ”الذخیرہ“

اور امام ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں بیان کئے ہیں :

۱- اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے ناظر مظالم کا باسببیت، قومی اور دہریہ والا ہونا لازمی ہے لیکن قاضی کا ایسا ہونا ضروری نہیں۔

۲- ولایتہ المظالم کا دائرہ اختیار امور واجبہ سے گزر کر امور جائزہ کو بھی محیط ہے لہذا وہ قول و عمل دونوں کے اعتبار سے وسیع الاختیارات ہوگا۔

۳- ناظر مظالم قرائن اور شواہدِ حالیہ سے کام لے کر تفتیشِ واقعات اور حق و باطل میں امتیاز کر سکتا ہے، بخلاف قاضی کے۔

۴- جس شخص کی فطرت میں ظالمانہ اور باخیانہ جذبات موجود ہوں اس کی تادیب و اصلاح ولایتہ المظالم کے اختیار میں ہے۔

۵- کسی مقدمہ کی نوعیت کے پیش نظر ناظر مظالم تصفیہ میں تاخیر کر سکتا ہے لیکن قاضی کسی فریق کے مطالبہ کے بغیر اس کا مجاز نہیں۔

۶۔ ناظر مظالم مناسب سمجھے تو فریقین کو مصالحت پر مجبور کر سکتا ہے لیکن قاضی فریقین کی رضا مندی کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔

۷۔ اگر فریقین انصاف و اعتراف حقوق پر آمادہ نہ ہوں تو ناظر مظالم انہیں پولیس کی حراست میں دے سکتا ہے۔ تاکہ پولیس انہیں رد حقوق اور ایک دوسرے کی تکذیب سے باز آنے پر آمادہ کر سکے۔

۸۔ مجہول الحال اور قضا کے نزدیک ناقابل شہادت افراد کی شہادت والی مظالم سن سکتا ہے۔

۹۔ گواہوں کے بیان مشکوک و مشتبہ معلوم ہوں تو ناظر مظالم ان سے حلف لے سکتا ہے نیز ازالہ شک کے لیے شاہدوں کی تعداد بھی بڑھا سکتا ہے، مگر قاضی اس کا مجاز نہیں۔

۱۰۔ ناظر مظالم فریقین کے نزاع کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے ابتداءً شاہدوں کے بیانات سن سکتا ہے۔ لیکن قاضی مدعی سے گواہ طلب کرتا ہے اور اس کے کہنے پر گواہوں کے بیانات سنتا ہے۔

ولایتہ المظالم اور حسبہ اور دو پہلوؤں سے مشابہت  
 ولایتہ المظالم اور حسبہ اور دو پہلوؤں سے فرق پایا جاتا ہے مشابہت  
 قوت و اقتدار کے رعب و مہمیت کے مظاہرہ اور کھلم کھلا ظلم و عدوان کے معاملات کی سماعت میں ہے۔ فرق مندرجہ ذیل دو پہلوؤں میں سے ہے۔

۱۔ ادارہ مظالم ان امور و مقدمات کی سماعت کرتا ہے جن کی انجام دہی سے قاضی عاجز و کمزور ہو جبکہ ادارہ حسبہ ان معاملات سے تعلق رکھتا ہے جو بہت چھوٹے چھوٹے ہوں اور قاضی کی عدالت میں ان کا پیش کرنا مناسب

نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ والی مظالم کا درجہ قاضی سے برتر ہے جبکہ جسبہ کی حیثیت قاضی سے فرودتر اور اس کے تابع و معاون کی ہے۔

۲ - ادارہ مظالم کے سربراہ کو مقدمات کی سماعت اور فیصلے دینے کا پورا اختیار حاصل ہے جبکہ محتسب کو ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ مزید برآں دیوان مظالم ایک برتر ادارہ ہونے کی حیثیت سے قاضی اور محتسب دونوں کا نگران ہے۔

دیوان مظالم — فرائض و اختیارات

ولایتہ مظالم کے حیثہ اختیار میں حسب ذیل امور و معاملات

آتے ہیں جنہیں نپٹانا اس ادارہ کا فرض ہے۔<sup>۲۷</sup>

- ۱- رعایا پر حکام کے ظلم و ستم اور تشدد آمیز رویہ کی تحقیق اور مظالم کا ازالہ اور ظالموں کی گرفت۔
- ۲- گورنروں اور تحصیلداروں کا محاصل کی وصولی میں زیادتی اور بے اعتدالی پر بازپرسی بھی عدالت مظالم سے متعلق ہے۔
- ۳- بیت المال کے افسروں اور منشیوں کی کاروائیوں کی نگرانی کرنا۔
- ۴- تنخواہیں تقسیم کرنے والے اہلکاروں کی زیادتیوں کا ازالہ۔
- ۵- اموال معصوبہ کی واپسی۔ خواہ فاضل سلطان، اس کے امراء اور سرکاری اہلکاروں، خواہ عام جاہل و ظالم رؤسا اور شہسپدا افراد، سب کی گرفت اور اموال کی واپسی ولایتہ مظالم کا کام ہے۔
- ۶- عام اور خاص اوقاف کی نگرانی اور انتظام، اس سلسلہ میں قاضی کے اختیار سے باہر تمام معاملات کو ناظر مظالم ہی نپٹاتا ہے۔

۷۔ ادارہ قضا کے اُن احکام و فیصلوں کی تنفیذ جن کو قاضی اپنی کمزوری اور بے بسی یا محکوم علیہ کی قوت اور اختیار و اقتدار کے باعث نافذ کرنے سے قاصر ہو۔

۸۔ ادارہ حسبہ اگر اپنے متعلقہ فرائض کی انجام دہی سے عاجز ہو تو اس کی اعانت کرنا۔

۹۔ عبادات ظاہری جیسے جمعہ، عیدین، حج و جہاد وغیرہ اور تمام حقوق اللہ کی بجا آوری کی تلقین اور کسی قسم کی کوتاہی کرنے والوں کی سزائش۔

۱۰۔ لڑائی جھگڑوں اور فوجداری مقدمات کا تصفیہ۔ اس سلسلہ میں ناظر نظام کا فرض ہے کہ وہ مقدمہ کی نوعیت، قرائن و شواہد اور اسباب و موجبات نزاع میں گہرے غور و خوض کے بعد درست فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کرے کہ اس سلسلہ میں اس کے پاس قاضی سے زیادہ اختیارات ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ولایت المنظام کا مقصد اور بنیادی فرض ہے قانون کی حکمرانی قائم کرنا، عدل و انصاف نافذ کرنا اور ظلم و جبر کا استیصال کرنا اور اس سلسلہ میں اس کے دائرہ اختیار میں تمام انتظامی امور، خصوصی معاملات اور عبادات سے متعلق امور شامل ہیں۔ اس کی حیثیت ”عدالت اپیل“ کی بھی ہے، ”عدالت عام“ کی بھی اور ”اعلیٰ ترین انتظامی عدالت“ کی بھی اور یہ تنفیذیہ، عدلیہ اور نئے اور عرف و ضرورت پر مبنی مسائل کی حد تک تشریحیہ کے اختیارات کی جامع ہے، اس لیے اسلام کے عدالتی نظام اور معاشرہ میں نفاذ عدل کے اداروں میں اسے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں جتنی قدیم ظلم و  
**ولایتہ المظالم عہد بہ عہد** | ستم کی روش ہے اتنا ہی "استیصال ظلم" کے

ادارہ کا تصور بھی قدیم ہے کیونکہ جب سے ظلم نے جنم لیا فطرت انسانی نے اس  
 کے ازالہ و استیصال کے اقدامات بھی تجویز کرنے شروع کر دیئے گو اس کی ہیئت  
 کیفیت ہر دور میں مختلف رہی اور سوسائٹی کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ بالآخر ایک  
 منظم ادارہ کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور یوں مختلف اقوام نے مختلف ادارے  
 تشکیل دیئے۔ چنانچہ شاہان فارس استیصال ظلم کو جہانبانی کے لازمی اصولوں میں  
 سے شمار کرتے اور صرف قوانین ملکی کو اس کے لیے ناکافی قرار دیتے، ادھر جیسا کہ ہم بیان کر  
 آئے ہیں یونانی اور روسی مفکرین اور ماہرین قانون کے ہاں عام قانونی عدالتوں کے  
 علاوہ اصولِ نصفیت (EQUITY) پر مبنی نظامِ معدلت کی ضرورت اہمیت  
 کا احساس موجود تھا۔ یہی نصفیت پر مبنی نظامِ معدلت قرونِ متوسطہ سے مختلف

مغربی ممالک میں رائج ہو گیا تھا۔ اور تو اور خود عرب کے عہدِ جاہلیت میں بھی مظالم  
 کی روک تھام کے لیے "حلف الفضول" ایسے ایک زائد معاہدوں کا وجود ایک  
 اہل حقیقت ہے جس سے استیصالِ مظالم کے ادارہ کی اہمیت بخوبی واضح ہو جاتی۔

اسلام میں ابتداء ہی سے سربراہ ریاست "ولایتہ المظالم" کے فرائض کی  
 انجام دہی کا پابند نظر آتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک صدیق  
 اکبرؓ کا اولین خطبہ اور فاروق اعظمؓ و عثمان غنیؓ کے ارشادات اور عملی سرگرمیاں کسی  
 سے مخفی نہیں۔ لیکن اس عہدِ مبارک میں باقاعدہ منظم ادارہ مظالم کے قیام کی ضرورت  
 اس لیے محسوس نہ ہوئی کہ لوگوں میں تدبیر اور انصاف پسندی کا غلبہ تھا وہ وعظ و

نصیحت سن کر خدا کے سامنے جوابدہی کے احساس سے سرشار ہو کر مظالم سے باز  
 رہتے تھے معمولی تنازعات کے فیصلے قاضی کروا کر کرتا تھا۔ البتہ حضرت علیؓ کے عہد

خلافت میں جب لوگوں کا اختلاف بڑھ گیا اور بے انصافیاں عام ہونے لگیں تو آپ نے ولایت المظالم کے فرائض خود انجام دینا شروع کر دیئے اگرچہ زیادہ ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے اس کے لیے کوئی مستقل دن یا وقت مقرر نہیں فرمایا تھا بلکہ شنب و روز میں جس وقت بھی کوئی مظلوم داد خواہ ہوتا، اسی وقت انصاف فرمادیتے تھے۔ اموی فرمانروا عبدالملک بن مروان نے سب سے پہلے جو روتعدی کے واقعات کی تفتیش اور فیصلہ کے لیے ایک دن مقرر کیا۔ عبدالملک نے اپنی امداد کے لیے قاضی الوادریس آزوی کو اپنا شریک کار بنا لیا تھا۔ اس کے بعد حکام اور رؤسا خود ستم شکاری کرنے لگے مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام امراء کی نائضانیوں کی تلافی کی اور اس سلسلہ میں انتہائی سخت احتساب کا رویہ اپنایا۔ اکثر خلفائے عباسیہ بھی اس کا اہتمام کرتے رہے چنانچہ المہدی، ہارون، مامون اور متدی وغیرہ وادریسی کے لیے باقاعدہ اجلاس کیا کرتے۔ خلیفہ المقتدر کی والدہ عدالت مظالم کی خود صدر تھیں اور اپیلوں کی سماعت کرتی تھیں۔ دیوان المظالم ہمیشہ خلیفہ یا خود مختار گورنروں کے ماتحت رہا ہے جس سے اس ادارہ میں خلفاء کی گہری دلچسپی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ولایت المظالم — عصر حاضر میں

ماضی میں جو معاملات ولایت المظالم کے سپرد تھے ان میں سے بہت سے اب مختلف اداروں کے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن مظالم کی روک تھام اور جوہو تعدی کے استیصال میں مطلق کامیابی نہیں ہو پارہی بلکہ عوامی اور سرکاری انتظامی عدالتی (ہر دو سطح پر مظالم روز بروز بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ ایسے میں ولایت المظالم کے احیاء اور تشکیل کی شدید ضرورت کے باوصف بہت سی وجوہات (مثلاً جدید نظر پر ہائے ریاست کے بعض بنیادی مسلمات، ریاست کی عوامی معاملات میں وسیع مداخلت کے اصول اور عدلیہ و انتظامیہ کی باہمی کش مکش

کے تصورات سے ولایت المظالم کے تصور کا تصادم و عینہ کی بنا پر کلاسیکی اور روایتی انداز و کیفیت کے ادارہ مظالم کی تشکیل خاصی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسلام کسی بھی ادارے کی ایک دوز میں پائی جانے والی شکل اور تنظیمی و ادارتی ہیئت کو ہو بہو دُور میں اپنائے رکھنے کا ہرگز مطالبہ نہیں کرتا اس لئے تو مقاصد اور مبادی متعین کر دیئے ہیں اور ان کی تکمیل کے لئے شکل و ہیئت اور ادارتی نظام کا قیام ہر عصر و عہد کی ضروریات اور حالات کے مطابق اس وقت مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے۔ لہذا آج ہم اپنے دُور کے تقاضوں کے مطابق استیصال مظالم کے لیے ولایت المظالم کی طرز کا ادارہ قائم کر سکتے ہیں۔ واللہ الموفق والمعین۔ والسلام۔

## حوالہ جستا

- ۱۸ لہ آل عمران  
۸ لہ المائدہ  
۲۹ لہ الاعراف  
۲۵ لہ الحديد  
۹۰ لہ النحل  
۸ لہ المائدہ  
۱۳۵ لہ نساء  
۵۵ لہ الديلمی: مسند عن جابر  
۵۹ لہ النور  
۵۸ لہ النساء  
۲۶ لہ ص  
۲ لہ شاه ولی اللہ، حجتہ البالغة، نور محمد اصح المصالح جلد ۲ ص ۹۴  
۳ لہ ابن خلدون، القدمة، مطبعة اللجنة البيان العربي ۱۹۶۷ جلد ۲ ص ۷۳۵  
۴ لہ النساء ۱۴۱  
۵ لہ الماوردی، الاحکام السلطانية، دار الفکر، مصر ۱۹۸۳ ص ۶۰  
۶ لہ النحل ۴۳  
۷ لہ التوبة ۱۲۲

- ۱۸۔ ابن خلدون، مقدمہ، جلد ۲، ص ۳۷
- ۱۹۔ القرانی: الاحکام فی تفسیر القتاوی عمہ الاحکام، عبدالحکیم زبیران، اصول الدعوة، دار عمر اسکندریہ ص ۱۴۹
- ۲۰۔ جسٹس محمد تمیز، اسلام اور تہذیب حاضرہ، لایپٹنگ کمپنی لاہور ص ۹۵
- ۲۱۔ ابن سینا، الشفاء، فصل عقد المدینتہ وعقد البیت
- ۲۲۔ دائرہ معارف اسلامیہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، جلد ۱۱، ص ۶۷، ۶۸، ۶۹
- ۲۳۔ ابن الاثیر، معالم القربتہ فی احکام الحسبہ، مقدمہ
- ۲۴۔ محمد المبارک، الدولہ ونظام الحسبہ عند ابن تیمیہ
- ۲۵۔ دیکھئے، الماوردی والولعی، الاحکام السلطانیۃ، ابن تیمیہ الحسبہ فی الاسلام، ابن الاثیر، معالم القربتہ وغیرہ۔
- ۲۶۔ الماوردی، الاحکام السلطانیۃ ص ۲۷
- ۲۷۔ ایضاً ص ۷۳

04880



# مطبوعات

## نظام عشر کی برکات

صاف عشر خوش فہم پر ہم کو کج حالت میں مشرف ہوا ہے  
 جس کے متعلق قرآن وحدیث اور افعال امت کو کاسب کئے گئے  
 فقیر تارک شراور دیگر سلوات۔ آفت طاعت خوشا سروق۔  
 مرتبہ: سید محمد حسین ہاشمی۔ قیمت: ۵/۰۰ روپے

## برہائی صحیح لاجز

جنوری ۱۹۸۳ء سے سرگز تحقیق نے ایک سلاہی، علمی، تعمیری جہاں  
 کا اجرا کیا ہے جس کے تین شمارے منظر عام پر آچکے ہیں۔ (۱) جنوری  
 ۱۹۸۳ء آجتہاؤ فریڈے شروع ہو چکے تھے کہ کتاب جس میں اہل سنت کے تمام  
 پہلوؤں کو لنگھو کی گئی ہے۔ (۲) اپریل اور جولائی ۱۹۸۳ء خوش فہم عشر  
 کے مطالعے ایک ائمہ المعادین مشرف حلالی، مشرف حصد دوم۔  
 میر سول، سید محمد حسین ہاشمی ڈیال سنگھ ٹرسٹ بریلی لاہور

## اسلامی حکومت میں اقلیتیں

اقلیتیں قبل از اسلام اسلامی دور حکومت میں کلتور کا تہذیبی کام اہل  
 ترتیب، مانتہ فہم میں۔ قیمت: ۶/۰۰ روپے

## مغربی جمہوریت اہل مغرب کی نظریں میں

جمہوری مہاز حکومت اہل مغرب نے کیا کوئی ایک یا دو مشورے صرف  
 سیاسیات، معاشیات اور عزائمات کی آواز پیش ایک تقریر کو بلکہ  
 کتابچوں کے علاوہ جمہوریت کے لیے جو خیالات واضح ہو جاتے ہیں۔  
 تالیف: حسین نسلوٹی۔ قیمت: ۶/۰۰ روپے

## بلا سوڈو بیگاری

بیگاری کا اسلامی نقطہ نظر جدید بیگنگ، سوڈو بیگاری کی تہذیب  
 بنیادی اور جاری سڑکی خریدیاں وغیرہ تالیف محمد علی۔ قیمت: ۶/۰۰

## نفاذ شریعت میں تدریج

التواہی اور التواہی میں تدریج کا قانونی طریق کار کا کیا نفاذ ہے  
 قیمت: کس سلسلے میں تدریج، مانتہ فہم سلسلہ۔ قیمت: ۶/۰۰

## اسلام کا قانون شہادت جلد اول (مستند فہداری)

فہداری شہادت (مرد و عورت) میں شہادت کا اسلامی معیار  
 طریق کار۔ عادل شاہد، عادل کا موجود اور میں معیار۔ اسلامی فقہ کی ہمت  
 کتب استیعاب پر چار ائمہ فقہ سے اردو زبان میں سب سے پہلی کتاب  
 مرتبہ: سید محمد حسین ہاشمی۔ قیمت: ۵/۰۰

## اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ

### اسلام کا نظام اختیاب

اسلامی سزا میں کب کی نافرمانی ہیں۔ قرآن سنت اور فقہ مذاہب  
 اور سب سے ماخوذ ایک مختصر موزوں کتاب۔  
 قاضی اور لوگوں کے تمام ابتدائی معلومات بیکار کر دی گئی ہیں۔  
 مرتبہ: سید محمد حسین ہاشمی۔ قیمت: ۶/۰۰

## فہرست مخطوطات (تین جلد)

دیال سنگھ ٹرسٹ بریلی میں موجود نادر و کمیاب کتب کی فہرست  
 فہرست جس میں مخطوطات کے تعارف کے ساتھ ساتھ مؤلفین کے حالات  
 زندگی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت: جلد اول: ۱۵/۰۰، جلد دوم: ۲۰/۰۰  
 مرتبہ: سید محمد حسین ہاشمی، سید محمد حسین مدنی، مانتہ فہم میں۔

## اسلامی نظام عمل کا نفاذ مشکلات اور ان کا حل

اسلامی نظام اور مغربی نظام عمل کا بنیادی اور نظریاتی فرق موجود ہے  
 اس کے اور اس کے نفاذ میں مائل مشکلات ان کو کیسے جٹا یا جا سکتا ہے؟  
 مغربی نظام عمل کی خامیاں اور اسلامی نظام عمل کی کامیابی کے واضح امکانات  
 پر ایک پرمغز کتابچہ۔ تالیف: سید محمد حسین ہاشمی۔ قیمت: ۵/۰۰

## دو قوموں کے نظریے

اسلامیان پر میرا ایک نیا نظریہ ہے جو سوا تاریخ کا تہذیبی جائزہ سوری  
 تکریم کا اسلامی اساس اور فقہی نظریہ کی تخلیق کے سیاسی جوہر پر مشتمل بحث  
 آفتاب میر، خوش رنگ، سروق، دیدہ زیب کتابت، عمدہ چھاپائی۔  
 مرتبہ: مولانا سید محمد حسین ہاشمی۔ قیمت: ۵/۰۰ روپے

۴

ب

سرگز تحقیق (ریسرچ سیریل) دیال سنگھ ٹرسٹ لاہور بریلی